اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ○ وَذَکَرَاسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ○ (الاعلی:14-15)

وقال اللہ تعالٰی فی مقام اخر

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰھَا ○ فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا ○ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا ○ (الشمس:7-10)

وقال اللہ تعالٰی فی مقام اخر

وَمَنْ تَزَکّٰی فَاِنَّمَا یَتَزَکّٰی لِنَفْسِہٖ ط وَاِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ ○ (فاطر:18)

وقال اللہ تعالٰی فی مقام اخر

فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ ط ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی (النجم:32)

وقال اللہ تعالٰی فی مقام اخر

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ مَا زَکٰی مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ ○ (النور: 21)

وقال اللہ تعالٰی فی مقام اخر

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ط وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ (العنکبوت:69)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۔ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۔ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

چوتھا بڑا دشمن:۔

انسان کا چوتھا اور سب سے بڑا دشمن ''نفس'' ہے۔ یہ سب سے بڑا گرو گھنٹال ہے، بلکہ مہا بدمعاش ہے۔ آج کی اس محفل میں اس کے شرور اور پھر ان سے بچنے کے طریقے بتائے جائیں گے۔ سب کارستانیاں اسی نفس کی ہیں، اسی نفس نے عزازیل کو طاؤس الملائکہ سے ابلیس اور شیطان بنایا اور اسی نفس نے ہی

قابیل کو ہابیل کے قتل پر آمادہ کیا۔

تزکیۂ نفس کی اہمیت:

قرآن مجید میں کسی بات کو بیان کرتے ہوئے اتنی قسمیں نہیں کھائی گئیں جتنی قسمیں تزکیہ نفس کے بارے میں کہتے ہوئے کھائی گئی ہیں...... بڑے آدمی کا تو کہہ دینا ہی کافی ہوتا ہے، اگر وہ کوئی بات قسم کھا کر کہے تو وہ بات اور زیادہ اہم ہو جاتی ہے...... یہاں انسانوں کی بات تو کیا، پروردگار عالم کا شاہی فرمان ہے، فقط ایک بار کہہ دینا ہی کافی تھا مگر رب کریم نے اس کے بارے میں سات قسمیں کھائیں۔

چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ○ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ○ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ○ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ○ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ○ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ○ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ○ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ○ (الشمس:10-1) ان آیات میں اللہ رب العزت نے لگاتار سات چیزوں کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ جو بندہ ستھرا ہوا وہ فلاح پا گیا اور جو انسان ستھرا نہ ہوا وہ خائب و خاسر ہو گیا۔

فلاح کا مطلب:

عربی زبان میں فلاح کا مطلب ہے ''کسی پوشیدہ شے کا کھلنا''۔ اسی لئے کسان کو فلاح کہتے ہیں .... اسی طرح وہ بندہ جس کا نچلا ہونٹ کھلا ہوا سے عربی زبان میں رجل افلح کہتے ہیں۔ قرآن مجید کی رو سے اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ بندے جن کا اجر اور بدلہ قیامت کے دن اللہ رب العزت کے ہاں کھلے گا....... گویا فلاح کا مطلب ہے۔

☆ ایسی کامیابی کہ جس کے بعد ناکامی نہ ہو،

☆ ایسی عزت کہ جس کے بعد ذلت نہ ہو، اور

☆ اللہ رب العزت کا ایسا قرب کہ جس کے بعد دوری نہ ہو۔

فلاح کے لئے تین چیزوں کی ضرورت

قرآن مجید میں فلاح کو تین چیزوں کے ساتھ وابستہ کیا گیا۔

(۱)......پہلی چیز توبہ ہے، چنانچہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا،

وَتُوبُوْآ اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (النور: 31)

اور توبہ کرو اللہ کے سامنے سب مل کر اے مؤمنو! تاکہ تم بھلائی پاؤ۔

(۲)......دوسری چیز تزکیہ نفس ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (الاعلیٰ: 14) فلاح پا گیا وہ بندہ جو ستھرا ہوا۔

(۳)......اور تیسری چیز نماز ہے جس کے ساتھ فلاح کو وابستہ کیا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ○الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَا تِهِمْ خٰشِعُوْنَ (المؤمنون: 2-1)

تحقیق فلاح پا گئے وہ مؤمن جو اپنی نمازوں میں جھکنے والے ہیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ فلاح کا اعلیٰ درجہ پانے کے لئے ان تینوں چیزوں کو حاصل کرنا ضروری ہے۔ انسان پہلے گناہوں سے توبہ کرے، اس کے بعد تزکیہ نفس کی محنت کر کے جب نماز پڑھے گا تو اسے فلاح کا سب سے اعلیٰ رتبہ نصیب ہو جائے گا۔ اسی لئے جنت میں جانے والے سب فلاح پانے والے ہوں گے۔ وہاں صرف وہ لوگ جائیں گے جن کا تزکیہ ہو چکا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ پر جنت کے تذکرے

فرمائے اور نچوڑ یہ نکالا کہ

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى (طٰهٰ:76) اور یہ بدلہ ہے اس بندے کا جو ستھرا ہوا۔

تخلیق انسانی اور عناصر اربعہ کے اثرات:

ہمارے مشائخ نے ارشاد فرمایا:

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ اَرْبَعَةِ اَشْيَآءٍ مِنْ مَّآءٍ وَّنَارٍ وَّ طِيْنٍ وَّرِيْحٍ

انسان کو چار اشیاء (عناصر) سے پیدا کیا گیا، (یعنی) پانی، آگ، مٹی اور ہواؤ سے۔

ان چاروں عناصر کے انسان کے اندر اپنے اپنے اثرات ہیں۔ کسی آدمی میں ایک جزو غالب ہوتا ہے تو کسی میں دوسرا، لیکن ہر ایک کی پہچان بتا دی گئی ہے کہ

☆ فَاِنْ كَثُر مَاء فهو لبيب پس اگر پانی کا عنصر غالب ہوگا تو وہ بندہ بڑا عقلمند اور دانا ہوگا۔

ایسا بندہ سیلانی طبیعت کا مالک ہوتا ہے۔ سیلانی طبیعت کا مطلب یہ ہے کہ وہ بڑا تیز طرار بنتا ہے، اس کے اندر عیاری اور مکاری ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو بڑا عقلمند آدمی سمجھتا ہے۔

☆ وان كثير نار فهو حريص

اگر آگ کا جزو غالب ہوگا تو وہ آدمی حریص ہوگا۔

حریص اور آگ میں آپ کو کچھ مناسبت نظر آئے گی۔ حریص بھی وہی چاہتا ہے جو آگ چاہتی ہے۔ آگ یہ چاہتی ہے کہ میں ہر چیز کو جلا کر بھسم کر دوں یعنی کھا لوں۔ اسی طرح حریص بندے کا پیٹ بھی کبھی نہیں بھرتا، اس کا بھی یہی جی چاہتا ہے کہ جو کچھ دوسروں کے پاس ہے وہ سب کچھ میرے پاس آجائے۔

☆ وان کثر طینه فهو متواضع

اور اگر مٹی کا جزو غالب ہوگا تو اس کے اندر عاجزی آجائے گی۔

ایسا بندہ دوسروں کے سامنے بچھتا پھرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو چھپا کر اور مٹا کر رکھتا ہے۔ زمین کے اندر کتنی تواضع ہے۔ ہم سب اپنے پاؤں سے زمین کو روندتے ہیں لیکن یہ کتنی اچھی ہے کہ یہ پھر بھی ہمیں پھل پھول دیتی ہے۔ جیسے ماں بچے کو پالتی ہے اسی طرح یہ زمین بھی ماں کی طرح انسان کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرتی ہے۔ اللہ رب العزت کے ہاں تواضع اور عاجزی کی اتنی قدر و منزلت ہے کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا فرماتے ہیں۔

☆ وان کثر ریحه فهو متکبر اور اگر ہوا کا جزو غالب ہوگا تو وہ آدمی متکبّر ہوگا۔

ویسے ہی متکبّر بندہ ہوا میں اڑتا ہے جس کی وجہ سے اس کے پاؤں زمین پر نہیں لگتے اور وہ فٹ بال کی طرح اچھلتا پھرتا ہے۔ فٹ بال میں ہوا زیادہ بھر دو تو وہ ذرا سے اشارے پر بھی خوب اچھلتا ہے۔ اسی طرح ذرا سی بات پر ہی متکبّر آدمی کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ ویسے بڑے صوفی صافی بنے پھرتے ہوتے ہیں لیکن اگر بھائی کوئی بات کر دے یا کوئی دوست کوئی بات کر دے یا گھر میں بیوی کوئی بات کر دے تو ملمّع کاری کا چڑھایا ہوا خول فوراً اتر جاتا ہے اور اندر جو گند بھرا ہوتا ہے وہ سب کھل کر باہر آجاتا ہے۔ پھر متبع شریعت وسنت چہروں والے گالیاں بکتے ہیں۔ اس وقت وہ انسان نہیں بلکہ حیوان نظر آرہے ہوتے ہیں۔

جو انسان یہ چاہے کہ اس کی زندگی کا بیلنس (توازن) برقرار رہے اسے چاہیے کہ وہ کسی روحانی طبیب کی خدمت میں رہے کیونکہ انہی چار چیزوں کے کم یا زیادہ ہونے کی وجہ سے انسان میں مختلف قسم کی روحانی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔

باطنی بیماریاں اور نفس:

تمام باطنی بیماریوں کا تعلّق نفس کے ساتھ ہے۔اس بات کا ثبوت قرآن مجید سے ملتا ہے۔

مثال کے طور پر

☆ شہوات کا تعلّق نفس کے ساتھ ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُوْنَ (حٰمٓ السجدہ:31)

اور تمہارے لئے وہاں وہ ہے جو تمہارے دل کی چاہت ہے اور تمہارے لئے وہاں ہے جو کچھ مانگو گے۔

☆ خواہشات بھی انسان کے نفس کے اندر جنم لیتی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى (النّٰزعت:40) اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا۔

☆ سفاہت کا تعلّق بھی انسان کے نفس کے ساتھ ہے۔اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَه‘ (البقرہ:130) مگر وہی کہ جس نے احمق بنایا اپنے آپ کو۔

☆ بخل کا تعلّق بھی انسان کے نفس کے ساتھ ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ (النسآء:128) اور نفوس کے سامنے موجود ہے حرص۔

☆ حسد کا تعلّق بھی نفس کے ساتھ ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ (البقرہ:109) بسبب حسد کے جو ان کے نفوس میں ہے۔

☆ تکبّر کا تعلّق بھی نفس کے ساتھ ہے۔قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ (الفرقان:21) تحقیق بہت تکبّر رکھتے ہیں اپنے نفوس میں۔

غور کیجئے کہ یہاں ان تمام باطنی بیماریوں کے ساتھ نفس کا لفظ استعمال ہوا ہے قلب کا نہیں۔اس لئے معلوم ہوا کہ ان باطنی بیماریوں کا تعلّق انسان کے نفس کے ساتھ ہی ہے۔

روحانی ترقی اور روحانی ترٹّی:

یہ بات ذہن میں رکھئے کہ جس چیز میں نفس کی زندگی ہے اس میں دل کے لئے موت ہے اور جس چیز میں دل کے لئے زندگی ہے اس میں نفس کے لئے موت ہے۔یعنی جس چیز سے نفس پر چوٹ پڑے گی اس سے دل کو روحانی ترقی مل رہی ہوگی اور جس چیز سے نفس کو لذتیں مل رہی ہوں گی اس سے انسان کی روحانی ''ترٹّی'' ہو رہی ہوگی۔اس لئے جو آدمی اپنے نفس کی پوجا کرے اور اپنی خواہشات کو پورا کرتا پھرے وہ بندہ باطنی طور پر انسانی مقام سے گر کر کبھی کبھی حیوانوں کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے۔ اب فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہے کہ ہم روحانی ترقی چاہتے ہیں یا روحانی ترٹّی چاہتے ہیں۔

بیمار دل کی علامات:

انسان کو کیسے پتہ چلے کہ اس کا دل بیمار ہے؟ اس سلسلہ میں حافظ ابن قیمؒ نے کچھ علامات بتائی ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ

پہلی علامت:

پہلی علامت یہ ہے کہ جب انسان فانی چیزوں کو باقی چیزوں پر ترجیح دینے لگے تو وہ سمجھ لے کہ میرا دل بیمار ہے۔مثلاً دنیا کا گھر اچھا لگتا ہے مگر آخرت کا گھر بنانے کی فکر نہیں ہے۔دنیا میں عزت مل جائے مگر

آخرت کی عزت یا ذلت کی سوچ دل میں نہیں ۔ دنیا میں آسانیاں ملیں مگر آخرت کے عذاب کی پروا نہیں۔

دوسری علامت:

دوسری علامت یہ ہے کہ جب انسان رونا بند کر دے تو وہ سمجھ لے کہ دل سخت ہو چکا ہے۔کبھی کبھی انسان کی آنکھیں روتی ہیں اور کبھی کبھی انسان کا دل روتا ہے۔دل کا رونا آنکھوں کے رونے پر فضیلت رکھتا ہے ۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ آنکھ سے پانی کا نکلنا ہی رونا کہلاتا ہے، بلکہ اللہ کے کئی بندے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے دل رو رہے ہوتے ہیں۔گوان کی آنکھوں سے پانی نہیں نکلتا مگران کا دل سے رونا اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہو جاتا ہے اوران کی توبہ کے لئے قبولیت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔تو دل اورآنکھوں میں سے کوئی نہ کوئی چیز ضرور روئے ۔اور بعض کی تو دونوں چیزیں رو رہی ہوتی ہیں۔آنکھیں بھی رو رہی ہوتی ہیں اوردل بھی رو رہا ہوتا ہے۔

تیسری علامت:

تیسری علامت یہ ہے کہ مخلوق سے ملنے کی تو تمنا ہولیکن اسے اللہ رب العزت سے ملنا یاد ہی نہ ہوتو سمجھ لے کہ یہ میرے دل کے لئے موت ہے۔لوگوں کے ایک دوسرے کے ساتھ ایسے تعلّقات ہوتے ہیں کہ ان کے دل میں ایک دوسرے سے ملنے کی تمنا ہوتی ہے ۔ وہ اداس ہوتے ہیں اورانہیں انتظار ہوتا ہے مگرانہیں اللہ کی ملاقات یاد ہی نہیں ہوتی ۔

چوتھی علامت:

چوتھی علامت یہ ہے کہ جب انسان کا نفس اللہ رب العزت کی یاد سے گھبرائے اور مخلوق کے ساتھ بیٹھنے سے خوش ہوتو یہ بھی دل کی موت کی پہچان ہے۔اللہ کی یاد سے گھبرانے کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان کا

دل تسبیح پڑھنے اور مراقبہ کرنے سے گھبرائے۔اس کے لئے مصلے پر بیٹھنا بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ یہ علامت کئی لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ایک موٹا سا اصول سمجھ لو کہ اگر بندے کا اللہ کے ساتھ تعلّق دیکھنا ہو تو اس کا مصلے پر بیٹھنا دیکھ لو۔ ذاکر شاغل بندہ مصلے پر اسی طرح سکون کے ساتھ بیٹھتا ہے جس طرح بچہ ماں کی گود میں سکون کے ساتھ بیٹھتا ہے اور جس کے دل میں کجی ہوتی ہے اس کے لئے مصلے پر بیٹھنا مصیبت ہوتی ہے۔ وہ سلام پھیر کر مسجد سے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔کئی تو ایسے ہوتے ہیں کہ مسجد میں آنے کے لئے ان کا دل آمادہ ہی نہیں ہوتا۔مسجد کی بنی ہوئی دکانوں میں کرایہ دار ہوتے ہیں مگر افسوس کہ جماعت کی نمازوں سے محروم ہوتے ہیں ...... پوچھا جائے کہ کیا آپ مراقبہ کرتے ہیں؟ تو کہتے ہیں کہ جی بس تھوڑا سا کرتا ہوں۔ جی پانچ منٹ کرتا ہوں۔ جی مراقبہ کا وقت ہی نہیں ملتا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے مجھے کھانے کا وقت نہیں ملتا۔جس آدمی کو کھانے کا وقت نہ ملے تو وہ کتنے دن زندہ رہے گا؟اسی طرح جسے مراقبہ کرنے کا وقت نہیں ملتا اسے بھی بہت جلدی روحانی موت آجاتی ہے۔

ہمارے مشائخ تو مراقبہ کے لئے وقت ڈھونڈا کرتے تھے اور دعائیں مانگا کرتے تھے کہ ہمیں اللہ رب العزت کی یاد میں بیٹھنے کی توفیق نصیب ہو جائے۔ حضرت مولانا حسین علیؒ واں بھچراں والے کے بارے میں سنا ہے کہ ان کی خانقاہ میں جب عشاء کے بعد مراقبہ کی محفل ہوتی تو اس کی اختتامی دعا نہیں ہوتی تھی۔کیا مطلب؟ مطلب یہ ہے کہ حضرت کی طرف سے اجازت تھی کہ جو بندہ مراقبہ میں تھک جائے یا جس پر نیند غالب آجائے وہ بے شک چلا جائے۔کوئی آدھے گھنٹے بعد جاتا، کوئی ایک گھنٹے بعد جاتا اور کوئی دو گھنٹے بعد جاتا، اس طرح لوگ اٹھ کر جاتے رہتے۔حتی کہ جب سب لوگ چلے جاتے تو حضرت اٹھ کر تہجّد کی نیت باندھ لیتے تھے۔اس مراقبہ کی اختتامی دعا ہی نہیں ہوتی تھی۔

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے

نفس اور شیطان کے مکر:

انسان دو دشمنوں کے درمیان گھرا ہوا ہے۔ایک نفس اور دوسرا شیطان۔شیطان بیرونی دشمن ہے اور نفس اندرونی دشمن ہے۔شیطان دانا دشمن ہے اور نفس بھولا اور ضدی دشمن ہے۔اسی لئے اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں کیدِ شیطان کو ضعیف کہا اور کیدِ نفس کو عظیم کہا، فرمایا

اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا (النسآء:76) بے شک شیطان کا مکر کمزور ہے۔

اور کیدِ نفس کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ (یوسف:28) بے شک تمہارا مکر بہت بڑا ہے۔

یہاں شیطان کے مکر کو ضعیف کہا اور نفس انسانی کے مکر کو عظیم کہا، اس سے پتہ چلا کہ انسان کے نفس کا مکر بہت بڑا ہے۔ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ شیطان انسان سے مطلقاً گناہ کرواتا ہے۔یعنی گناہ ضرور کرے خواہ کوئی سا ہو۔لیکن نفس انسانی انسان سے مخصوص گناہ کرواتا ہے۔مشائخ نے اس کی پہچان لکھی ہے کہ جب انسان کے دل میں گناہ کا وسوسہ آئے اور انسان اپنے خیال کو دوسری طرف لگا لے لیکن بار بار اسی گناہ کا تقاضا پیدا ہوتا رہے تو یہ پہچان ہے کہ یہ خواہش انسان کے نفس کی طرف سے ہے۔اور اگر یہ خواہش شیطان کی طرف سے ہو گی تو جب انسان اس وسوسہ کو پیچھے ہٹائے گا تو شیطان اس کے دل میں کسی دوسرے گناہ کا خیال ڈال دے گا کہ چلو یہ نہیں کرتے تو یہ کر لو اور اگر یہ بھی نہیں کرتے تو پھر یہ کر لو، اس طرح وہ کہیں نہ کہیں بندے کو گناہ میں الجھانے کی کوشش کرے گا۔

اچھی اور بُری خواہش:

اللہ تعالیٰ نے انسانی نفس کو خواہشات سے بھر دیا ہے۔ اچھی ہوں یا بری۔ مثلاً اچھی خواہشات تو یہ ہیں کہ میں تہجّد گزار بن جاؤں، میں حافظ قرآن بن جاؤں، میں اللہ کا ولی بن جاؤں، میں مستجاب الدعوات بن جاؤں۔ ہیں تو یہ بھی خواہشات، لیکن اچھی خواہشات ہیں۔ ان کے علاوہ دوسری قسم کی خواہشات بھی ہیں۔ مثلاً میرے ہاتھ میں سب اختیارات آجائیں، میرا ڈنڈا چلے، لوگوں میں میری شہرت ہو، میری تعریفیں ہوں۔ ایسی خواہشات بری خواہشات کہلاتی ہیں۔ گویا نفس سے ہی بری خواہشات کی لہریں نکلتی ہیں اور گناہ کا بیج یہیں سے پھوٹتا ہے۔

خواہشات نفسانی کا خمیر:

جس طرح پانی میں آٹا گوندھتے وقت نمک ملا دیتے ہیں اور وہ نمک پورے آٹے کے اندر سما جاتا ہے اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں نے انسان کی مٹی کو گوندھا تو خواہشات نفسانی کو اس مٹی میں ملا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں نفسانی خواہشات رچی بسی ہوتی ہیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ نمک کی وجہ سے ہی روٹی اچھی لگتی ہے۔ لہٰذا اگر اس نفس پر محنت کر لی جائے تو اسی کی وجہ سے انسان کو ترقی مل جاتی ہے۔ اگر یہ بگڑے تو انسان کو جانور کی طرح بنا دے اور اگر سنور جائے تو انسان کو فرشتوں سے بھی اونچا اٹھا دے۔

ازلی نافرمانیوں میں نفس کا کردار:

روز ازل سے جتنی نافرمانیاں ہوئیں، وہ یا تو نفس نے اکیلے کیں یا پھر نفس نے شیطان کے ساتھ مل کر کروائیں۔

☆ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی پہلی نافرمانی عرش پر ہوئی۔ وہ نافرمانی شیطان نے کی۔ پروردگار عالم نے حکم دیا کہ اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (آدم علیہ السّلام کو سجدہ کرو) یہ فرمان الٰہی سن کر سب فرشتے سجدے میں

چلے گئے لیکن شیطان نے انکار کیا، تکبّر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شیطان نے ایسا کیوں کیا؟ اس وقت تو شیطان نہیں تھا، وہ کس کا نام لگائے کہ مجھ سے کس نے گناہ کروایا ؟ کیا وہ یہ کہے کہ مجھ سے فلاں شیطان نے کام کروایا تھا؟ اصل بات یہ ہے کہ شیطان سے اس کے نفس نے گناہ کروایا تھا۔ اسی لئے نفس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ مہا بدمعاش ہے۔ کیونکہ اس نے طاؤس الملائکہ کو بھی ابلیس اور مردود بنا ڈالا۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ شیطان مردود نے اسی ہزار سال تک عبادت کی مگر نفس نے بھٹکا دیا اور اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا،

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ○ وَّإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّيْنِ (الحجر:35-34)

پس تو یہاں سے دفع ہو جا، تو مردود ہے، تجھ پر قیامت کے میری لعنتیں برستی رہیں گی۔

اسی ہزار سال رحمتوں کے کام کرنے کے بعد اس کے نفس نے اسے قیامت تک کے لئے لعنتوں کا مستحق بنا دیا۔

☆ اللہ رب العزت کی دوسری نافرمانی جنت میں ہوئی۔ شیطان نے اماں حوا کو یقین دہانی کروائی کہ اگر آپ اس درخت کا پھل کھا لیں گے تو آپ ہمیشہ کے لئے جنت میں رہیں گی، قرآن مجید میں ہے کہ وہ دونوں کے سامنے قسمیں کھا کھا کر یہ بات کہتا تھا۔ شیطان کی طرف سے بار بار یقین دہانیوں کی وجہ سے اماں حوا کے اندر حرص پیدا ہوئی کہ ہم اسی جگہ پر رہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ شیطان اماں حوا کے دل میں درخت کے پتے کھانے کی خواہش کو پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ لہٰذا انہوں نے خود اپنے لئے دو پتے توڑے اور حضرت آدمؑ کے لئے ایک پتہ توڑا۔ یہی راز ہے کہ اس میں میراث الٹی تقسیم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بیٹے کو ڈبل دلواتے ہیں اور بیٹی کو سنگل۔ کیونکہ اماں حوا نے جنت میں عمل ہی ایسا کیا

تھا۔ چنانچہ حرص کے پیدا ہونے پر ان سے بھول ہوگئی اور انہوں نے اس درخت کا پھل کھالیا۔ یہاں غور کیجئے کہ ان کی بھول کا سبب کیا ہوا؟ اس کا سبب بھی انسان کا نفس بنا۔

☆ اللہ رب العزت کی تیسری نافرمانی زمین پر ہوئی۔ وہ زمین پر سب سے پہلی نافرمانی تھی۔ حضرت آدمؑ کے دو بیٹے تھے جن کا نام ہابیل اور قابیل تھا۔ ہابیل کی بیوی بہت خوبصورت تھی۔ جب اس پر قابیل کی نظر پڑی تو وہ اس پر فریفتہ ہوگیا۔ لہٰذا اس کے دل میں طلب پیدا ہوئی کہ میں اس سے شادی کروں۔ اسی ہوس میں آکر وہ اپنے سگے بھائی کو کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔ چنانچہ اس نے ہابیل کو قتل کر دیا...... قیامت تک دنیا میں جتنے بھی قتل ہوں گے ان سب کا بوجھ قابیل کے سر پر ہوگا........ اس کے نفس نے اس کو زمین پر اللہ تعالیٰ کا سب سے پہلا نافرمان بنایا۔

لذتوں کا خوگر:

ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ

اَلنَّفْسُ کَالطِّفْلِ نفس کی مثال بچے کی سی ہے۔

یعنی جیسے بچے کے ذہن میں جو کوئی چیز آجائے تو وہ ضد کرتا ہے کہ بس مجھے تو یہی چیز چاہیے۔ وہ اس مقصد کے لئے روتا ہے اور ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ اس شوروغل کرنے میں وہ چاہتا ہے کہ بس میرا مطلب پورا ہو جائے۔ اگر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ یہ کھلونا لینا ہے تو پھر جو ہو جائے وہ اپنی ضد پوری کروائے گا۔ اب وہ ہوتا بھی پیارا ہے اور ضد بھی کر رہا ہوتا ہے۔ اس طرح بندہ مشکل میں پھنس جاتا ہے۔ بعض اوقات تو انسان اس کی خواہش کو پورا کر دیتا ہے لیکن ہر خواہش تو پوری نہیں کی جاسکتی۔ اسی طرح نفس بھی لذتوں کا خوگر ہے لیکن اس کو بھی ہر لذت نہیں پہنچائی جاسکتی۔

بادشاہ کی بے بسی:

ایک بادشاہ کے ہاں بیٹا نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے وزیر سے کہا، بھئی! کبھی اپنے بیٹے کو لے آنا۔ اگلے دن وزیر اپنے بیٹے کو لے کر آیا۔ بادشاہ نے اسے دیکھا اور پیار کرنے لگا۔ بادشاہ نے کہا، اچھا، اس بچے کو آج کے بعد رونے نہ دینا۔ اس نے کہا، بادشاہ سلامت! اس کی ہر بات کیسے پوری کی جائے۔ بادشاہ نے کہا، اس میں کونسی بات ہے، میں سب کو کہہ دیتا ہوں کہ بچے کو جس جس چیز کی ضرورت ہو، اسے پورا کر دیا جائے اور اسے رونے نہ دیا جائے۔

وزیر نے کہا، ٹھیک ہے، جی اب آپ اس بچے سے پوچھیں کہ کیا چاہتا ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے بچے سے پوچھا، تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا، ہاتھی۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ تو بڑی آسان فرمائش ہے۔ چنانچہ اس نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ ایک ہاتھی لا کر بچے کو دکھاؤ۔ وہ ہاتھی لے کر آیا۔ بچہ تھوڑی دیر تو کھیلتا رہا لیکن بعد میں پھر رونا شروع کر دیا۔ بادشاہ نے پوچھا، اب کیوں رو رہے ہو؟ اس نے کہا، ایک سوئی چاہیے۔ بادشاہ نے کہا، یہ تو کوئی ایسی بات نہیں۔ چنانچہ ایک سوئی منگوائی گئی۔ اس نے سوئی کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس بچے نے پھر رونا شروع کر دیا۔ بادشاہ نے کہا، ارے! اب تو کیوں رو رہا ہے؟ وہ کہنے لگا، جی اس ہاتھی کو سوئی کے سوراخ میں سے گزاریں...... جس طرح بچے کی ہر خواہش پوری نہیں کی جاسکتی اسی طرح نفس کی بھی ہر خواہش پوری نہیں کی جاسکتی۔ لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا کوئی علاج ہونا چاہیے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اس کی اصلاح ہو جائے۔

سب سے زیادہ خطرناک دشمن:

شیطان ہمارا بیرونی دشمن ہے۔ وہ ہر وقت ہمارے پیچھے لگا ہوا ہے۔ نہ تو اس کو کھانے پینے کی مصروفیت ہے اور نہ ہی سونے کی۔ ہم اسے بھول جاتے ہیں لیکن وہ ہمیں نہیں بھولتا۔ اس کا ایک ہی پراجیکٹ

ہے۔کئی مرتبہ تو اس کے ساتھ اس کے معاون شطونگڑے بھی ہوتے ہیں۔گویا بندے کے اوپر ایک ٹیم کام کر رہی ہوتی ہے اور اندر سے یہ نفس ان کو خبریں دے رہا ہوتا ہے۔گویا اندر کی سی آئی ڈی کرنا نفس کے ذمہ ہے۔اب بتائیں کہ کام کتنا مشکل ہو چکا ہے.......جب بھی پتہ چلے کہ دشمن سے ہماری جنگ ہے مگر اس کے مخبر ہمارے اندر چھپے ہوئے ہیں تو ہر عقلمند آدمی یہ فیصلہ کرے گا کہ اندر والوں کو پہلے ٹٹولا جائے اور ان کو پہلے گرفتار کر لیا جائے تا کہ وہ بیرونی دشمنوں کو کچھ بتا نہ سکیں۔جب یہ کوئی خبر ہی نہیں دے سکیں گے تو پھر ہمارے لئے لڑنا آسان ہوگا........ہمارے مشائخ نے بھی یہی کہا ہے کہ اگر شیطان کے پیچھے بھاگتے پھریں گے تو فائدہ نہیں ہوگا جب تک کہ نفس اس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔اگر ہم اس (نفس) کو ٹھیک کر لیں گے اور یہ اس کے ساتھ تعاون چھوڑ دے گا تو پھر شیطان ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔لہٰذا ان دونوں میں سے زیادہ خطرناک انسان کا نفس ہے۔جیسے کہتے ہیں نا ''دھوبی پٹڑ الگانا'' یعنی گرتے کا پتہ نہیں چلتا، اسی طرح یہ نفس بھی ایسا دھوبی پٹڑ الگاتا ہے کہ یہ آدمی کو گرا دیتا ہے۔اس لئے اس سے بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جب انسان کا نفس یادِ الٰہی سے گھبرائے اور مخلوق کے ساتھ باتیں کرنے سے خوش ہو تو انسان سمجھ لے کہ اب اس کے علاج کی بہت ضرورت ہے۔

نفس انسانی اتنا خطرناک کیوں؟

نفس انسانی کے خطرناک ہونے کی دو وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ:

پہلی وجہ یہ ہے کہ نفس گھر کا چور ہے۔جب چور گھر کے اندر رہتا ہو تو وہ زیادہ خطرناک ہوتا ہے کیونکہ اس کے پاس زیادہ چانسز ہیں۔وہ جب بھی موقع پائے گا نقصان پہنچائے گا۔اسی لئے کہتے ہیں

"گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے"۔

دوسری وجہ:

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ انسان کا محبوب دشمن ہے۔یعنی نفس ایک ایسا دشمن ہے جس کے ساتھ انسان کو محبّت ہوتی ہے۔ جب کسی انسان کو اپنے دشمن سے محبّت ہو جائے تو انسان بڑے آرام سے وار کھا لیتا ہے۔حیران کن بات یہ ہے کہ جب کوئی محبوب ہوتا ہے تو اس کی کوتاہیاں بھی نظر نہیں آتیں۔کیونکہ محبّت نام ہی اسی چیز کا ہے کہ محبوب کے عیب محبّ کی نگاہوں میں ختم ہو جاتے ہیں اور اسے اس کی ہر چیز اچھی نظر آتی ہے۔

چونکہ نفس گھر کا بھیدی اور محبوب دشمن ہے اس لئے یہ زیادہ خطرناک ہے۔اسی لئے ہمارے مشائخ نے فرمایا:

نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا

نفس کو مارنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نفس کو بالکل ختم کر دیا جائے۔ایسا تو کبھی نہ ہو گا، بلکہ نفس کو مارنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو شریعت کی لگام ڈال کر قابو میں کر لیا جائے۔اسی کو نفس کشی کہتے ہیں۔

اب مسئلہ بڑا نازک ہے کہ ایک طرف تو نفس کے لئے اتنی قوت ہونا ضروری ہے کہ یہ نیک کام کر سکے اور دوسری طرف یہ اتنا کمزور ہو جائے کہ گناہ نہ کر سکے۔اسی بیلنس کو رکھنے کا نام تزکیۂ نفس ہے۔ یہ بڑا مشکل کام ہے۔اس کو قوت بھی چاہیے تاکہ یہ نیکی کر سکے لیکن اگر ذرا سی بھی قوت ملے گی تو گناہوں پہ جرأت کرے گا۔اس لئے ضروری ہو گا کہ یہ اتنا کمزور بھی ہوتا کہ گناہ نہ کر سکے۔

نفس کو کنٹرول کرنے کے طریقے:

ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے کہ نفس کو کنٹرول کرنے کی تین طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ:

نفس کو کنٹرول کرنے کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ اس کو شہوات سے روکا جائے.....آجکل کے نوجوان یہ سمجھتے ہیں کہ شہوت کا لفظ فقط Sex (جنس) کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ایسی بات نہیں ہے بلکہ عربی زبان میں یہ لفظ عام ہے۔شہوت کا لفظ ''اشتہا'' سے بنا ہے۔اور اشتہا کسی بھی چیز کی ہو سکتی ہے۔مثلاً بعض لوگوں کو کھانے پینے کی بہت اشتہا ہوتی ہے۔ان کا جی ہر وقت یہ چاہتا ہے کہ یہ چیز کھائیں وہ چیز کھائیں، یہ چیز بنائیں وہ چیز بنائیں۔کچھ لوگوں کو اچھے کپڑے پہننے کی شہوت ہوتی ہے۔وہ چاہتے ہیں کہ ہر وقت بن ٹھن کر اور سنور کر رہیں۔اچھی گاڑی ہو اور اکڑفوں میں چلیں۔بعض لوگوں میں اپنی خواہشات نفسانیہ پوری کرنے کی شہوت ہوتی ہے......تو پہلا کام شہوات کو توڑنا ہے۔یعنی جب انسان یہ محسوس کرے کہ کسی چیز میں رغبت زیادہ ہو رہی ہے اور وہ شریعت کے راستے میں رکاوٹ بن رہی ہے تو پھر اس کو لگام ڈالیں۔جتنا ہم خواہشات کو پورا کریں گے اتنا ہی نفس موٹا ہوگا اور جتنا اپنی خواہشات کو توڑیں گے اتنا ہی نفس کمزور ہوگا۔اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے گھوڑا قابو میں نہ آتا ہو تو لوگ اس کو تھوڑا چارہ دیتے ہیں۔جب اسے کئی دن بھوک ملتی ہے تو وہ پھر کمزور ہو جاتا ہے، پھر وہ سوار کو اپنے اوپر بیٹھنے بھی دیتا ہے اور سواری بھی کرنے دیتا ہے۔اسی طرح نفس کے گھوڑے پر سواری کے لئے ضروری ہے کہ اسے خواہشات کی غذا تھوڑی دیں۔

دوسرا طریقہ:

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ نفس کے اوپر عبادات کا بوجھ خوب لاد دیں۔یعنی بندہ اپنا معمول بنا لے کہ وہ اپنے آپ کو نیکی میں مصروف رکھے۔کیونکہ

An idle man`s brain is devil`s workshop.

فارغ آدمی کا ذہن شیطان کی ورکشاپ ہوتی ہے۔

اس لئے نفس کو فارغ نہ رکھے۔ جب کوئی گدھا قابو میں نہ آئے تو سب سے پہلے اس کو بھوکا رکھتے ہیں، پھر وہ لگام ڈالنے دیتا ہے، اس کے بعد اس پر ٹکا کر بوجھ لاد دیتے ہیں۔ پھر وہ بوجھ اٹھا کر آرام سے چلتا رہتا ہے۔ اسی طرح جب نفس پر عبادات کا بوجھ لادیں گے تو یہ خود بخود دین کے راستے پر گامزن رہے گا۔

۔لہٰذا اگر پہلے پانچ نمازیں پڑھتے ہیں تو اب تہجّد بھی شروع کر دیجئے۔

۔اشراق بھی شروع کر دیجئے۔

۔چاشت بھی شروع کر دیجئے۔

۔اوابین بھی شروع کر دیجئے۔

۔پہلے قرآن پاک کا ایک پارہ پڑھتے ہیں تو اب دو پارے پڑھنا شروع کر دیجئے۔

۔تسبیحات کا وقت بڑھا دیجئے۔

۔مراقبے کا وقت بڑھا دیجئے۔

تیسرا طریقہ:

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت سے دعا مانگتے رہیں کیونکہ نفس کی اصلاح اللہ رب العزت کی رحمت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ جیسے قرآن عظیم الشان میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ م بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ (یوسف:53)

اور میں پاک نہیں کہتا اپنے نفس کو۔ بے شک نفس تو برائی سکھاتا ہے مگر جو رحم کر دیا میرے رب نے۔

یہاں مَـا رَحِـمَ رَبِّـی کے الفاظ انسانیت کے نام رب رحمٰن کا یہ بہت بڑا پیغام ہیں کہ جس پر اللہ رب العزت کا رحم ہوگا اس کا نفس اس کے قابو میں آئے گا۔

معلوم ہوا کہ پہلے دو کام کرنے کے بعد انسان ہاتھ اٹھائے اور اللہ رب العزت کے حضور دعا مانگے کہ اے میرے مالک! جو میں کرسکتا تھا میں نے اس کی کوشش کی ہے، اب تو رحمت فرمادے اور میرے نفس کو نفس مطمئنہ بنادے۔

حضرت تھانویؒ اور اصلاح نفس:

حضرت اقدس تھانویؒ نے فرمایا کہ نفس کی اصلاح کے لئے تین کام کرنے ضروری ہیں۔

پہلا کام:

سب سے پہلا کام یہ کرے کہ مرشد کامل کی خدمت میں رہے کیونکہ ان کو پتہ ہوتا ہے کہ انسان کا نفس اس کو کیسے ورغلاتا ہے۔ انسان مرشد کے سامنے اپنے آپ کو اس طرح پیش کردے جیسے مردہ غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ وہ ان کو عرض کردے کہ حضرت! آپ جو حکم کریں میں حاضر ہوں۔ یا جیسے کوئی اندھا اپنی لاٹھی کسی دوسرے کے ہاتھ میں پکڑا کر کہتا ہے کہ اسے پکڑ کر مجھے میرے گھر میں پہنچا دو۔ اسی طرح انسان اپنے آپ کو باطنی اعتبار سے اندھا سمجھے اور اپنی لاٹھی اپنے مرشد کے ہاتھ میں پکڑا دے۔ کیونکہ مرشد کامل ایک ایسی شخصیت ہوتی ہے جس نے اپنی زندگی عبادت الٰہی میں گزاری ہوتی ہے، وہ جانتے ہیں کہ راستے میں گڑھے کہاں کہاں آتے ہیں۔ اس لئے وہ آسانی سے ہمیں ہماری منزل تک پہنچا دیں گے۔

آپ نے اکثر تجربہ کیا ہو گا کہ اگر آپ کسی دوست کے گھر جائیں اور وہ آپ کو Directions (سمتیں) لکھوادے تو آپ کو اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے کئی مرتبہ رکنا پڑتا ہے اور پوچھنا

پڑتا ہے، حتیٰ کہ گم ہونا پڑتا ہے، مشکل سے جا کر پہنچتے ہیں، اور کبھی دیر سے پہنچنے کی وجہ سے فنکشن ہی رہ جاتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آپ سے اگلی سیٹ پر کوئی ایسا دوست بیٹھ جاتا ہے جو گھر کو جانتا ہے تو آپ کو اس وقت کوئی فکر نہیں ہوتی، نہ کسی سے پوچھنے کی ضرورت پڑتی ہے، نہ گھبراہٹ ہوتی ہے اور نہ دیر ہو جانے کی فکر ہوتی ہے، بس وہ آپ کو بتا دیتا ہے کہ اب یہاں سے دائیں مڑ جائیں اور یہاں سے بائیں طرف مڑ جائیں، حتی کہ ایک جگہ جا کر کہہ دیتا ہے کہ بس اب یہاں بریک لگا دیں کیونکہ سامنے گھر آ گیا ہے۔

جو مرشد کامل ہوتا ہے اس کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ چونکہ اس نے معرفت الٰہی کا یہ راستہ کسی شیخ کامل کی خدمت میں رہ کر طے کیا ہوتا ہے اور اس کی اونچ نیچ کو دیکھا ہوتا ہے اس لئے وہ سالک کو دونوں دشمنوں (نفس اور شیطان) سے بچا کر چلتا ہے اور اسے اس کی منزل (معرفت الٰہی) تک پہنچا دیتا ہے۔

کچھ لوگوں کو یہ بات بھی سمجھ نہیں آتی۔ وہ کہتے ہیں کہ مرشد کی کیا ضرورت ہوتی ہے؟ جس طرح استاد کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح مرشد کی ضرورت ہوتی ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

ہر آں کارے کہ بے استاد باشد　یقین دانی کہ بے بنیاد باشد

ہر وہ کام جو بے استاد ہوتا ہے یقین کر لو کہ وہ بے بنیاد ہوتا ہے۔

ایک اور مثال سے آپ کو یہی بات سمجھاتے ہیں۔ ایک طالبعلم امتحان کے پیپر دے رہا ہے۔ جب وہ اپنا پیپر حل کر لیتا ہے تو اس طالبعلم کی نظر میں وہ سو فیصد ٹھیک ہوتا ہے...... اگر اسے پتہ ہو کہ میں غلط لکھ رہا ہوں تو وہ لکھے ہی کیوں۔ وہ تو بیچارہ ساری ساری رات جاگ کر پڑھتا رہا، وہ اپنی دانست میں کیوں غلط لکھے گا، وہ تو چاہے گا کہ مجھے نمبر ملیں...... وہ جب پیپر ممتحن کے حوالے کر رہا ہوتا ہے تو اس کے خیال میں وہ پیپر سو فیصد ٹھیک ہوتا ہے لیکن وہی پیپر جب استاد کے ہاتھ میں جاتا ہے تو وہ کاٹے لگانا شروع کر

دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تو نے یہ بھی غلط لکھا، یہ بھی غلط لکھا، یہ بھی غلط لکھا، حتیٰ کہ وہ تسلیم کرتا ہے کہ واقعی مجھ سے بڑی غلطیاں ہوئی ہیں۔

بالکل اسی طرح جب انسان اپنے عملوں کو دیکھتا ہے تو اس کی نظر میں اس کے تمام اعمال سو فیصد ٹھیک ہوتے ہیں لیکن جب وہ شیخ کے پاس جاتا ہے تو وہ اسے بتاتا ہے کہ میاں! تمہارے اس عمل میں عجب تھا ،اس میں تکبّر تھا اور اس میں ریا تھی۔ پھر انسان تسلیم کرتا ہے کہ ہاں میرے اندر یہ سب چیزیں موجود تھیں ۔اسی لئے جب ڈاکٹر بیمار ہوتے ہیں تو وہ اپنا علاج خود نہیں کرتے بلکہ کسی دوسرے ڈاکٹر سے علاج کرواتے ہیں ......گویا انسان اگر اپنا معالج خود بن جائے تو اس کا اللہ ہی حافظ ہوتا ہے۔ اس لئے مرشد کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کو سمجھائے ۔ کیونکہ نفس اپنے ہر کام میں کوئی نہ کوئی Justification (دلیل) دے گا۔ وہ کوئی الٹا کام بھی کرے گا تو اسے وہ درست ثابت کرنے کی کوشش کرے گا۔ شیخ اس کو شریعت وسنت کے مطابق مشورے دے گا، اس پر نظر رکھے گا اور روک ٹوک کرتا رہے گا جس کی وجہ سے وہ معرفت کی منازل طے کرتا چلا جائے گا۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ بس ہم برکت کے لئے بیعت ہوئے ہیں۔نہیں، بلکہ اس بیعت کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ شیخ نے اس کی تربیت اور اصلاح کرنی ہوتی ہے۔ جب انسان ان کے ساتھ رابطہ ہی نہیں رکھے گا اور اپنے حالات بتائے گا ہی نہیں تو اس کی اصلاح کیسے ہوگی۔ اس لئے شیخ کے ساتھ رابطہ رکھنے پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ اپنے شیخ کے سامنے اپنی کتاب کو کھولیں تاکہ وہ آپ کو گائیڈ کر سکیں کہ کیا کرنا ہے۔

آج تو حالت یہ ہے کہ سالکین شیخ کو آکر خواب سناتے ہیں تو خواب کا وہ حصہ سنا دیتے ہیں جو نسبتاً زیادہ اچھا ہوتا ہے اور برے حصے کو گول کر جاتے ہیں۔ اگر ایک مریض ڈاکٹر سے اپنے مرض کو چھپائے اور

خوش ہو کہ میں نے ڈاکٹر کو مرض کا پتہ ہی نہیں چلنے دیا تو نقصان کس کا ہو گا؟ نقصان اسی مریض کا ہو گا اور وہ مر جائے گا، ڈاکٹر کو کوئی نقصان نہیں ہو گا۔ اس لئے اپنی جو بھی کیفیت ہو، اچھی یا بری، اپنے شیخ کے سامنے بلاکم و کاست کہہ دینی چاہیے۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ جس طرح بیٹی سے غلطی ہو جائے تو وہ اپنا سب کچھ اپنی ماں کے سامنے کھول دیتی ہے اسی طرح مرید کو چاہیے کہ وہ اپنا سب کچھ اپنے شیخ کے سامنے کھول دے کیونکہ ایک تو وہ اس کو سمجھائیں گے اور دوسرا وہ اللہ رب العزت کے حضور دعا بھی کریں گے اور ان کی دعا کی برکت سے اللہ رب العزت اس کو ان گناہوں سے محفوظ فرما دیں گے۔ اس لئے شیخ کی روک ٹوک پر دل تنگ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ بھی کبھی کبھی انٹی بائیوٹک دے دیتے ہیں ...... صبح، دوپہر، شام۔ اس کے بغیر بخار نہیں اترتا۔ ہمارے مشائخ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر بغیر کسی غلطی کے شیخ انسان کو چوراہے میں کھڑا کر کے جوتے مارے تو مرید کا حق بنتا ہے کہ پھر جوتا اٹھا کر اپنے شیخ کے حوالے کرے۔ اس طرح اپنے آپ کو پیش کرے، پھر دیکھیں گے کہ اصلاح ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔ دین کے جتنے بھی بڑے بڑے حضرات گزرے انہوں نے اپنے مشائخ کی صحبت میں اسی طرح بیٹھ کر تربیت پائی۔

تربیتی سلسلہ کی ابتداء:

نبی علیہ الصلوۃ والسّلام کی تربیت اللہ رب العزت نے کی اور صحابہ کرامؓ کی تربیت نبی علیہ السّلام نے کی۔ اس سے پتہ چلا کہ تربیت کا یہ سلسلہ اوپر سے چلا آ رہا ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے پاس ایک عورت آئی۔ وہ چھوٹے قد کی عورت تھی۔ جب وہ چلی گئی تو انہوں نے بتانا تھا کہ وہ چھوٹے قد کی ہے تو انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا۔ اور کہا کہ وہ جو اتنی سی ہے۔ نبی علیہ السّلام نے ان کی اصلاح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا، عائشہ! تو نے ایک ایسی بات کہی کہ اگر اس بات کو سمندر کے پانی میں ڈال دیا جائے تو وہ

سارے سمندر کو کڑوا بنا دے........ یہ تربیت ہے........ مشائخ بھی اسی طرح آدمی کی تربیت کرتے ہیں۔

حضرت مرشد عالمؒ کے انداز تربیت کی ایک جھلک:

ہمارے سلسلہ میں مشائخ ''چپ شاہ'' نہیں ہوتے۔ لیکن بعض جگہوں کے مشائخ چپ شاہ ہوتے ہیں۔ بس وہ بیٹھے رہتے ہیں اور ان کے مرید جو مرضی آئے کرتے پھریں وہ چپ ہی رہتے ہیں۔ اور ہمارے ہاں تو ویسے ہی ڈنڈا ہاتھ میں ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت مرشد عالمؒ مکہ مکرمہ میں تھے۔ وہاں ایک انجنیئر صاحب کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب حضرتؒ حرم شریف سے نکلے تو حضرتؒ نے انہیں فرمایا کہ آگے چلو اور بتاؤ کہ کدھر جانا ہے۔ مگر انہوں نے کہا، حضرت! آپ ہی آگے چلیں، میں پیچھے سے آپ کو بتاتا رہوں گا۔ حضرتؒ نے آگے چلنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر دوراستے آگئے۔ پھر حضرت نے پوچھا، بھئی! بتاؤ کدھر جانا ہے؟ انہوں نے کہا، حضرت! ادھر جانا ہے۔ حضرت نے فرمایا، تم آگے چلو۔ وہ کہنے لگے، نہیں حضرت! میں یہیں ٹھیک ہوں آپ آگے چلیں۔ اس دفعہ حضرت نے اکرام کر لیا۔ ذرا آگے چل کر پھر یہی صورتحال پیش آئی اور حضرت نے پوچھا، بھئی! کدھر جانا ہے؟ تو وہ کہنے لگے، حضرت! بائیں طرف جانا ہے۔ حضرت نے فرمایا، بھئی آگے چلو۔ وہ کہنے لگے، نہیں نہیں حضرت! میں پیچھے ہی ٹھیک ہوں آپ آگے چلیں۔ حضرتؒ کے پاس ڈنڈا تھا، حضرت نے اسے دکھاتے ہوئے فرمایا:

''تو میڈا پیر ایں یا میں تیڈا پیر آں'' تم میرے شیخ ہو یا میں تمہارا شیخ ہوں۔

تب جا کر کہیں اس کا دماغ سیدھا ہوا۔ پھر حضرت نے انہیں سمجھایا کہ بعض اوقات پیچھے چلنا ادب ہوتا ہے اور بعض اوقات آگے چلنے میں ادب ہوتا ہے۔

دوسرا کام:

دوسرا کام یہ ہے کہ انسان اپنے دشمنوں اور حاسدوں سے سبق سیکھے۔کئی دفعہ اللہ تعالیٰ بندے کے اوپر تھانیدار مقرر کر دیتے ہیں۔ وہ تھانیدار اس پر ہر وقت تنقید کرتے رہتے ہیں کہ یہ بھی ٹھیک نہیں، یہ بھی ٹھیک نہیں، یہ بھی ٹھیک نہیں، یہ بندے کو لگتا تو برا ہے لیکن وہ اسے رکھتے ٹھیک ہیں۔ اگر یہ تھانیدار نہ ہوں تو بندہ بگڑ جائے۔لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے۔انسان جتنا زیادہ فضل وکمال والا ہوگا اسکے حاسد اتنے زیادہ ہوں گے۔حضرت اقدس تھانویؒ کو اللہ نے کیا ہی فضل وکمال عطا کیا تھا،لوگ ان پر تنقید کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کو کتنا زیادہ فضل وکمال عطا کیا تھا،ان پر بھی لوگ تنقید کرتے تھے۔اس دنیا میں سب سے زیادہ فضل وکمال نبی علیہ السّلام کو حاصل ہوا اور دنیا میں سب سے زیادہ حاسد بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے تھے۔اتنے حاسد تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب A کو ان حاسدین کے شر سے پناہ مانگنے کے لئے طریقہ بھی بتا دیا اور فرمایا،

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (الفلق:5) انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے حاسدین سے سیکھے۔جب وہ کوئی تنقید کریں تو وہ اس تنقید سے سبق سیکھے اور اپنی اصلاح کرے۔ وہ اس طرح کہ جب وہ تنقید کریں تو وہ سوچے کہ انہوں نے مجھ پر جو تنقید کی ہے، اگر اس میں حقیقت ہے تو مجھے اپنی اصلاح کر لینی چاہیے۔ ہماری یہ حالت ہے کہ ہم ہر اس بندے کو پسند کرتے ہیں جو ہماری ہر بات کو ٹھیک کہے۔گویا ہمیں Yes man اچھا لگتا ہے۔اور جس نے بھی کہہ دیا کہ یوں نہیں بلکہ یوں کر لیں،ہمیں اسی پر غصہ آ جاتا ہے۔

تیسرا کام:

تیسرا کام یہ ارشاد فرمایا کہ انسان دوسرے لوگوں سے عبرت حاصل کرے۔مثلاً کسی نے کوئی غلطی کی اور

اس کی وجہ سے ذلت اور شرمندگی اٹھائی، اس سے آدمی سبق سیکھے کہ اس نے جب یہ کام کیا تھا تو اسے ذلیل ہونا پڑا تھا اس لئے میں یہ کام نہیں کروں گا۔ جو بندہ دوسروں سے عبرت پکڑتا ہے اس کی اصلاح جلدی ہو جاتی ہے اور جو بندہ دوسروں کے حالات و واقعات سے عبرت نہیں پکڑتا، کچھ دنوں کے بعد وہ خود تماشا بن جاتا ہے۔

ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ جب انسان ان تین کاموں کو اپنائے گا تو اللہ رب العزت اس کے نفس کی اصلاح فرما دیں گے۔

روحانی پہلوان بننے کے لوازمات:

یہ طے شدہ بات ہے کہ ماں کا پیٹ انسان کے جسم بننے کی جگہ ہے۔ اگر ماں کے پیٹ میں انسان کے جسم میں کوئی نقص رہ جائے اور بچہ ویسے ہی پیدا ہو جائے تو پوری دنیا کے ڈاکٹر مل کر بھی اس نقص کو دور نہیں کر سکتے۔ مثلاً جو بچہ ماں کے پیٹ سے نابینا پیدا ہو، دنیا کے ڈاکٹر اسے بینا نہیں کر سکتے۔ ماں کے پیٹ میں اگر ایک بچے کی انگلیاں نہ بنیں تو دنیا کے ڈاکٹر اس کی انگلیاں نہیں بنا سکتے........ اسی طرح یہ زمین اور آسمان کا پیٹ انسان کی روحانیت کے بننے کی جگہ ہے، اگر اس میں کمی رہ گئی تو وہ قیامت کے دن پوری نہیں ہو سکے گی۔ اس لئے جب روز محشر منافق مرد اور عورتیں دیکھیں گے کہ ایمان والوں کے سروں پر ایمان کا نور ہے تو وہ ان سے نور طلب کریں گے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ

(الحدید:13) منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے کہ ذرا ہماری طرف توجہ کیجئے تا کہ ہمیں بھی تمہاری اس روشنی سے فائدہ مل جائے۔

مگر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

قِيلَ ارْجِعُوا وَرَآئَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا (الحدید:13)

ان سے کہا جائے گا کہ تم جاؤ اپنے پیچھے دنیا میں، پھر یہ نور تلاش کرو۔

اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُورٍ لَّهُ بَابٌ (الحدید:13)

پھر ان کے درمیان ایک دیوار بنادی جائے گی جسمیں ہوگا دروازہ۔

ثابت ہوا کہ جس طرح جسمانی کمی دنیا میں آ کر پوری نہیں ہوتی اسی طرح روحانیت میں جو کمی رہ جائے گی وہ آخرت میں جا کر پوری نہیں ہوگی۔

اس وقت ہم زمین اور آسمان کے درمیان ہیں، یہ پیٹ ہماری شخصیت اور روحانیت بننے کی جگہ ہے اس لئے کوشش کرنی چاہیے کہ ہمارے اندر سے اخلاق رذیلہ نکل جائیں اور ان کی جگہ اخلاق حمیدہ پیدا ہو جائیں۔اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جس طرح آدمی ارادہ کرے کہ جی میں پہلوان بنوں گا اور اس کے بعد وہ اپنے آپ کو اس کام کے لئے فارغ کر لے، روزانہ ورزش کرے، اور اچھا کھائے پیے تو روزانہ کی ورزش اور اچھی خوراک کے استعمال کے ایک دو سال بعد وہ آدمی پہلے سے زیادہ مضبوط اور صحتمند ہو جائے گا۔اسی طرح انسان محنت کے ذریعے ولایت بھی حاصل کرسکتا ہے۔اگر ایک آدمی نیت کر لے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا ولی بننا ہے اور اس کے بعد وہ لوہے کا لنگوٹ باندھ لے۔

......اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے،

......اپنی زبان کی حفاظت کرے،

......اپنی آنکھوں کی حفاظت کرے،

......اپنے دل و دماغ کی حفاظت کرے اور

......جن جن اعضاء سے گناہ سرزد ہوتے ہیں ان کی حفاظت کرے

تو یقیناً کچھ عرصہ کے بعد وہ انسان روحانی طور پر پہلوان بن جائے گا، بلکہ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ وہ اللہ کا ولی بن جائے گا۔

ولایت کی قسمیں:

یاد رکھیں کہ ولایت ایک کسبی چیز ہے اور نبوت وہبی چیز ہے۔ کسبی چیز اس چیز کو کہتے ہیں جو محنت کر کے حاصل کی جاسکے اور وہبی چیز وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے فضل و کرم سے بندے کو عطا ہو جائے۔ کوئی بھی بندہ اگر اللہ کا ولی بننا چاہے تو وہ بن سکتا ہے۔

ولایت دو طرح کی ہوتی ہے۔

☆ ولایت عامہ

ولایت عامہ ہر کلمہ پڑھنے والے کو حاصل ہوتی ہے۔ یعنی جس نے بھی کلمہ پڑھا ہے وہ اللہ کا دوست ہے۔ چنانچہ قرآنی فیصلہ ہے:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (البقرہ:257) اللہ دوست ہے ایمان والوں کا۔

مثال کے طور پر اگر یہ پوچھا جائے کہ اس مجمع میں اللہ کا دشمن کون ہے تو کوئی بھی کھڑا نہیں ہوگا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہاں اللہ کا دشمن کوئی نہیں بلکہ سب اللہ کے دوست ہیں۔

☆ ولایت خاصہ

ولایت خاصہ یہ ہوتی ہے کہ انسان کے جسم سے گناہ سرزد نہ ہوں اوراس کے سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک پورے جسم پر اللہ رب العزت کے احکام لاگو ہو جائیں۔ جو انسان ایسا متقی بن جائے اس کے متعلّق قرآن عظیم الشان کا فیصلہ ہے:

اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (الانفال: 34) اس کے ولی وہی ہوتے ہیں جو متقی ہوتے ہیں۔

ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ولایت خاصہ عطا فرما دیتے ہیں۔ جیسے انسان کے بہت سے واقف کار ہوتے ہیں لیکن جگری یار قسم کے لوگ تھوڑے ہوتے ہیں، اسی طرح جس آدمی نے کلمہ پڑھ لیا وہ سب کے سب اللہ کے نیک بندوں میں شامل ہو جاتے ہیں، لیکن جو لوگ متقی اور پرہیزگار بن جاتے ہیں ان کو ولایت خاصہ حاصل ہو جاتی ہے، یہ ولایت خاصہ حاصل کرنے کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس محنت کا نام تزکیۂ نفس ہے۔

اصلاح نفس کے لئے سب سے بہترین کام:

یہ بات نوٹ کر لیں کہ سب مجاہدوں سے بڑا مجاہدہ ہر حال میں شریعت پر عمل کرنا ہے۔ انسان جو مجاہدے اپنی مرضی سے کرتا ہے وہ اس کے نفس کے لئے بڑے آسان ہوتے ہیں لیکن ہر حال میں شریعت کی پابندی کرنا نفس پر بہت بوجھل ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک صاحب اس عاجز سے ملنے کے لئے آئے۔ وہ جوان تھے۔ وہ پچھلے بائیس سالوں سے متواتر صائم الدھر (روزانہ روزہ رکھنے والے) تھے۔ جب انہوں نے عاجز کو بتایا تو پاس بیٹھنے والے متعلّقین بڑے حیران ہوئے۔ میں نے کہا، یہ کام آسان ہے۔ وہ کہنے لگے، جی وہ کیسے؟ میں نے کہا کہ ان سے کہیں کہ ایک دن روزہ رکھے اور دوسرے دن افطار (ناغہ) کرے۔ جب انہوں نے ان سے یہ

بات کی تو وہ کہنے لگے کہ جی کام مشکل ہے۔ پھر میں نے انہیں سمجھایا کہ ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھنا سنت ہے، اسی لئے اس کو مشکل نظر آ رہا ہے کیونکہ صائم الدھر رہنا آسان ہے اور ایک دن کے وقفہ سے روزہ رکھنا بہت مشکل کام ہے۔ جس طرح لوگ صبح وشام کھانے کی عادت بنا لیتے ہیں اسی طرح اس نے سحری اور افطاری کے وقت کھانے کی عادت بنا لی تھی، اس لئے اس کے لئے آسان تھا۔ لہٰذا یہ اصول ذہن نشین کر لیں کہ ہر حال میں سنت وشریعت پر عمل کرنے سے زیادہ بوجھل کام نفس کے لئے کوئی نہیں ہوتا۔ لہٰذا نفس کی جتنی اصلاح اس کام سے ہوتی ہے اور کسی کام سے اتنی اصلاح نہیں ہوتی۔ اسی لئے امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے لکھا ہے کہ دوپہر کے وقت سنت کی نیت سے تھوڑی دیر قیلولہ کی نیت سے سو جانے پر وہ اجر ملتا ہے جو کروڑہا نفلی شب بیداریوں پر بھی نہیں مل سکتا۔ تو اصول یہ بنا کہ اللہ کا ولی وہ ہوتا ہے جو ہر حال میں نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سنت پر عمل کرتا ہے۔ یقیناً اس بندے کی طبیعت سنت کے مطابق ڈھل جاتی ہے۔ عام آدمی کو سنت پر عمل کرنے کے لئے تکلّف کرنا پڑتا ہے لیکن اللہ والوں کو کوئی تکلّف نہیں کرنا پڑتا۔

مستقل مزاجی کی ایک جھلک:

ایک صاحب پوچھنے لگے، حضرت! کیا آپ میٹھی چیز استعمال نہیں کرتے۔ میں نے کہا، جی ہاں میں زیادہ بھاگ دوڑ نہیں سکتا، ورزش نہیں کر سکتا اس لئے ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ آپ پرہیز کریں، اس لئے میں پرہیز کرتا ہوں۔ وہ کہنے لگے، پھر تو آپ کے لئے بڑا مشکل ہوتا ہوگا، میں نے کہا، اللہ بھلا کرے ہمارے مشائخ کا کہ انہوں نے ایسی محنت کرنے کا سلیقہ سکھا دیا کہ جب سے ڈاکٹروں نے کہا میٹھی چیز استعمال نہیں کرنی اس کے بعد سے کبھی دل میں طلب بھی پیدا نہیں ہوئی۔ تصوف وسلوک کی محنت انسان کو ایسا مستقل مزاج بنا دیتی ہے۔ گویا ذکر کی محنت سے مشائخ نفس کو لگام ڈال دیتے ہیں۔ پھر انسان

لذتوں کا خوگر نہیں بنتا بلکہ سنت ہی ہر وقت اس کے پیش نظر رہتی ہے، اس کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا، پھرنا ہر چیز سنت کے مطابق ہو جاتی ہے۔ یہ سدھایا ہوا انسان اللہ کا ولی کہلاتا ہے۔ جبکہ ہم سمجھتے ہیں کہ ولی وہ ہوتا ہے جس سے کرامتیں صادر ہوتی ہیں۔ حالانکہ کرامتوں کا صادر ہونا تو بڑا آسان کام ہوتا ہے۔ یہ کام تو جوگی اور ہندوؤں سے بھی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کالے علم والے بھی کیا کیا شعبدے دکھا دیتے ہیں۔ یہ سب کام آسان ہیں مگر ان میں ظلمت ہوتی ہے اور اس سے ایمان کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ جب وہ پھنستے ہیں تو پھر ہمارے پاس آتے ہیں۔ ہمیں آج تک کبھی جن کا عمل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ بلکہ ہمیں تو پتہ ہی نہیں کہ کیسے کرتے ہیں۔ جنوں کے عامل پھنس کر ہمارے ہاں آ جاتے ہیں۔ اللہ کی شان دیکھئے کہ ہمیں پتہ ہی نہیں ہوتا کہ آدمیوں کے جن ہمارے پاس آ کر کیسے نکل جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مرشد عالمؒ فرمایا کرتے تھے:

''کامل بننا، عامل نہ بننا''

ایسی چیزیں تو اس تصوف وسلوک والے راستے کی گری پڑی چیزیں ہیں اور اصل چیز یہ ہے کہ ہر حال میں شریعت وسنت کے مطابق زندگی بسر ہو رہی ہو۔ یہی اصل مقصود ہے۔

شریعت کی لگام:

ذکر وسلوک کا مقصد ذکر کی لذتیں حاصل کرنا نہیں ہے۔ ہمارے مشائخ ہمیں عبد اللطف نہیں بناتے بلکہ عبد اللطیف بناتے ہیں۔ وہ ہمیں لذتوں کا خوگر نہیں بناتے بلکہ سنتوں کی پیروی کرنے والا بناتے ہیں۔ گویا وہ ہمیں سکھاتے ہیں کہ نفس ایک منہ زور گھوڑا ہے اس کو شریعت کی لگام دے دو۔ جب اسے شریعت کی لگام مل جائے گی تو سمجھنا کہ اب یہ قابو میں آ چکا ہے...... اب اس پر سواری کرو اور اللہ کے قرب کے مقامات کی سیر کرو۔

شریعت کی خادمہ:

جو انسان یہ سمجھے کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور چیز ہے وہ پکا جاہل ہے۔ دل کے کان کھول کر سن لیں کہ جو کچھ بھی ہے وہ شریعت میں ہے۔ طریقت تو شریعت کی خادمہ ہے۔ یہ غلط فہمی دور کر لینی چاہیے۔ آجکل تو لوگ اسی بندے کو ولی سمجھتے ہیں جو انہیں کوئی الٹا سیدھا کام کر کے دکھا دے۔

تلوین احوال:

ایک عام آدمی اور اللہ کے ولی میں یہ فرق ہوتا ہے کہ عام آدمی بھی بڑے بڑے کام کر جاتا ہے لیکن اس کو استقامت نصیب نہیں ہوتی۔ لہٰذا ایک وقت میں وہ ایسی نماز پڑھے گا جیسی وقت کا ابدال پڑھتا ہے اور اگلی نماز ایسی پڑھے گا جیسی وقت کا فاسق فاجر پڑھ رہا ہوتا ہے۔ اس کی کیفیات میں بڑی اونچ نیچ ہوتی ہے کبھی تو اس کی تو اللہ تعالیٰ سے ایسی لو لگی ہوتی ہے کہ اس کے سامنے گڑگڑا کر مناجات کر رہا ہوتا ہے اور آدمی کو اس پر رشک آتا ہے اور کبھی وہی کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہو رہا ہوتا ہے۔ تو مبتدی سالک کی کیفیات ادلتی بدلتی رہتی ہیں۔ اس کو ”تلوین احوال“ کہتے ہیں۔ لیکن صاحب نسبت لوگ ”صاحب تمکین“ ہوتے ہیں۔ ان کو استقامت حاصل ہوتی ہے۔ وہ ہر حال میں ایک ہی راستہ پر چل رہے ہوتے ہیں، دیس یا پردیس اور خوشی یا غمی کے حالات ان کے معمولات میں رکاوٹ نہیں بنتے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم الشان میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (حٰمٓ السجدہ:30)

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر ڈٹے رہے۔

استقامت اللہ رب العزت کو بہت پسند ہے۔ اور یہ استقامت اصلاح نفس کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

نفس کی مکاریاں:

اگر نفس کی اصلاح نہ کی جائے تو یہ نفس انسان کے ساتھ اسی طرح کھیلتا ہے جیسے بچے گیند کے ساتھ کھیلتے ہیں۔ یہ الٹے کام کر Justifications (حجّتیں) پیش کرتا ہے۔ایک صاحب رشوت لیتے تھے۔کسی نے اس سے کہا، بھئی! رشوت کیوں لیتے ہو؟ وہ کہنے لگا، جی میں اپنے لئے تو نہیں لیتا، میں نے تو دو روٹیاں ہی کھانی ہوتی ہیں، میں یہ سب کچھ بچوں کے لئے کرتا ہوں کیونکہ ان کے لئے بھی تو کچھ لانا فرض ہے نا، اب دیکھو کہ نفس نے اسے کیسے بہکایا۔

اگر معاملہ نفس پر چھوڑ دیا جائے تو پھر آدمی جو بڑے سے بڑا گناہ کر رہا ہوتا ہے اس کے لئے بھی نفس کوئی نہ کوئی Logic (دلیل) پیش کر دے گا۔خود چور کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم ساری رات جاگے اور بہت زیادہ خوف اور ڈر کے ساتھ چوری کی اس لئے ہماری بھی تو محنت کی کمائی ہے نا۔

دو طالبعلم تھے۔ایک عمر میں بڑا تھا اور دوسرا چھوٹا۔استاد نے بڑے سے پوچھا، تمہیں کس نے پیدا کیا؟ وہ کہنے لگا، ماں باپ نے۔پھر استاد نے چھوٹے سے پوچھا کہ تمہیں کس نے پیدا کیا؟ اس نے کہا، اللہ نے۔استاد اس پر بڑا خوش ہوا اور بڑے کو شرم دلائی کہ تو بڑا ہے، چھوٹے نے تو صحیح جواب دیا لیکن تو نے غلط۔وہ کہنے لگا، جی اصل میں میں پہلے پیدا ہوا تھا اور یہ ابھی ابھی پیدا ہوا ہے، اس لئے اس کو یاد رہا اور میں بھول گیا ہوں۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ نفس انسان کو کوئی نہ کوئی Logic (دلیل) پیش کر دیتا ہے۔حتی کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوگا اور نفس اسے کہہ رہا ہوگا کہ نہیں تو ٹھیک کر رہا ہے نوجوان توبہ تائب ہوتے ہیں وہ خود آکر بتاتے ہیں کہ ہم گناہ کبیرہ کے مرتکب ہو رہے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے کہہ رہے ہوتے ہیں کہ دنیا کی محبّت گندی ہوتی ہے اور ہماری محبّت تو سچی ہے۔

یہ ایک بری سی مثال ہے لیکن سمجھانے کے لئے بتا رہا ہوں۔ کالج کے ایک پروفیسر صاحب تھے۔ Co-education (مخلوط تعلیم) کی وجہ سے کسی لڑکی کے ساتھ اس کے تعلّقات بن گئے۔ ان ناجائز تعلّقات کی وجہ سے وہ لڑکی حاملہ ہوگئی۔ اس کی بڑی بدنامی ہوئی۔ کسی اور پروفیسر نے اس کو شرم دلائی کہ اگر تو نے بدکاری کرنی ہی تھی تو احتیاط ہی کر لیتا، عزل ہی کر لیتا تا کہ حمل نہ ٹھہرتا۔ وہ کہنے لگا، ہاں، خیال تو مجھے بھی آیا تھا لیکن بعض علما نے اس کو مکروہ لکھا ہے۔

بیعت کی ضرورت واہمیت:

نفس کی ان مکاریوں سے بچنے کے لئے اس کی اصلاح بہت ضروری ہے۔ اور اس کی اصلاح حاصل کرنے کے لئے انسان کو کسی نہ کسی مربی کے ساتھ تعلّق جوڑنا پڑتا ہے، جسے بیعت کہتے ہیں۔ اللّٰہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہوں پر لِمَ کا لفظ استعمال کیا، اس کا مطلب ہے ''کیوں''۔ اللّٰہ تعالیٰ نے یہ لِمَ کا لفظ ارشاد فرما کر نبی علیہ السّلام کی تربیت فرمائی۔

جہاں نبی علیہ السّلام کے لئے لِمَ کا لفظ استعمال ہوا، وہاں اس لفظ سے یا تو پہلے مغفرت کا اعلان فرمایا یا بعد میں۔ جیسے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (التحریم:1) اے محبوب! آپ نے اپنے اوپر اس چیز کو کیوں حرام کر لیا جس کو اللّٰہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال قرار دیا۔

یہاں وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (التحریم:1) کے الفاظ کے ذریعے معافی کا اعلان ساتھ ہی کر دیا۔

اور کہیں پر پہلے معافی کا اعلان فرمایا اور بعد میں لِمَ کا لفظ ارشاد فرمایا:

عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ ج لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ (التوبہ:43) اللہ آپ کو معاف کر دے، آپ نے کیوں اجازت دی۔
پہلے یا بعد میں معافی کا اعلان اس لئے فرمایا کہ اللہ رب العزت جانتے تھے کہ محبوب ﷺ کے دل میں عظمت الٰہی اور خشیت الٰہی اتنی ہے کہ اگر معافی کے اعلان کے بغیر لِمَ کے لفظ سے خطاب کیا تو محبوب کے لئے شاید برداشت کرنا مشکل ہو جائے گا۔

اور جہاں ایمان والوں کی تربیت کے لئے قرآن مجید میں لِمَ کا لفظ استعمال فرمایا وہاں معافی کا اعلان نہیں فرمایا گیا۔ مثلاً

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ○ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف:2,3)

اے ایمان والو! کیوں کرتے ہو جو کرتے نہیں۔ بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے ہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو۔

اس لئے کہ اگر مانو گے تو رحمت کا حصہ ملے گا اور اگر نہیں مانو گے تو پھر تمہاری پٹائی کی جائے گی...... ان آیات سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ انسان کو تربیت حاصل کرنی چاہیے ورنہ خواہشات انسان پر غالب آجاتی ہیں۔ حتی کہ انسان اپنے بس میں نہیں رہتا۔

خواہشات کا محور و مرکز:

کسی کتاب میں میں نے پڑھا کہ کسی سے پوچھا گیا کہ تمہاری پسندیدہ آیت کونسی ہے؟ اس نے کہا:

کُلُوْا وَاشْرَبُوْا (المرسلات:43) کھاؤ اور پیو۔

اس نے پھر پوچھا کہ تمہاری پسندیدہ دعا کونسی ہے؟ وہ کہنے لگا،

رَبَّنَآ اَنۡزِلۡ عَلَيۡنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ (المآئدہ:114)

اے ہمارے پروردگار! ہمارے اوپر آسمان کے خوان نازل فرما۔

اس نے پھر سوال کیا کہ اچھا، تم یہ بتاؤ کہ تمہاری پسندیدہ سنت کونسی ہے؟ وہ کہنے لگا، کھانے کی پلیٹ کو اچھی طرح صاف کرنا۔

اس نے پھر کہا کہ تم اللہ کا کوئی پسندیدہ حکم بھی سنادو۔ وہ کہنے لگا کہ میرے نزدیک اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ حکم یہ ہے۔

فَانۡكِحُوۡا مَا طَابَ لَكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ (النسآء:3) پس تم نکاح کرو ان عورتوں سے جو تمہیں پسند ہوں

جی ہاں، جب انسان نفس کے ہاتھوں کھلونا بنتا ہے تو اس کی خواہشات بھی اسی طرح کی بن جاتی ہیں۔ اس کی خواہشات کا محور و مرکز دنیاوی لذات بن جاتی ہیں۔

مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم نے اپنی کتاب ''تراشے'' میں ''اشعب طامع'' نامی شخص کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کا غلام تھا۔ اس کے اندر طمع بہت زیادہ تھا۔ وہ اپنے زمانے کا نامی گرامی طامع تھا۔ حتی کہ اس کی یہ حالت تھی کہ اس کے سامنے اگر کوئی آدمی اپنا جسم کھجاتا تھا تو وہ سوچ میں پڑ جاتا تھا کہ شاید یہ کہیں سے کچھ دینار نکال کر مجھے ہدیہ کردے گا.......وہ خود کہتا تھا کہ جب میں دو بندوں کو سرگوشی کرتے دیکھتا تھا تو میں ہمیشہ یہ سوچا کرتا تھا کہ ان میں سے شاید کوئی یہ وصیت کررہا ہو کہ میرے مرنے کے بعد میری وراثت اشعب کو دے دینا۔

جب وہ بازار میں سے گزرتا اور مٹھائی بنانے والے لوگوں کو دیکھتا تو ان سے کہتا کہ بڑے بڑے لڈو پیڑے بناؤ۔ وہ کہتے کہ ہم بڑے لڈو کیوں بنائیں؟ وہ کہتا کہ کیا پتہ کہ کوئی خرید کر مجھے ہدیے میں ہی

دے دے۔

ایک مرتبہ اس کو لڑکوں نے گھیر لیا۔ حتی کہ اس کے لئے جان چھڑانا مشکل ہو گیا۔ بالآخر اس کو ایک ترکیب سوجھی۔ وہ لڑکوں سے کہنے لگا، کیا تمہیں پتہ نہیں ہے کہ سالم بن عبداللہ کچھ بانٹ رہے ہیں، تم بھی ادھر جاؤ شاید کچھ مل جائے۔ لڑکے سالم بن عبداللہ کی طرف بھاگے تو پیچھے سے اس نے بھی بھاگنا شروع کر دیا۔ جب سالم بن عبداللہ کے پاس پہنچے تو وہ تو کچھ بھی نہیں بانٹ رہے تھے۔ لڑکوں نے اشعب سے کہا کہ آپ نے تو ہمیں ایسے ہی غلط بات کر دی۔ وہ کہنے لگا کہ میں نے تو جان چھڑانے کی کوشش کی تھی۔ لڑکوں نے کہا کہ پھر تم خود ہمارے پیچھے پیچھے کیوں آ گئے؟ کہنے لگا کہ مجھے خیال آیا کہ شاید وہ کچھ بانٹ ہی رہے ہوں۔

کمیونزم اور نفس کی کارفرمائی:

یہ جو ''کمیونزم'' دنیا میں آیا اس کے پیچھے بھی انسان کا نفس کارفرما تھا۔ نعرہ یہ لگا کہ روٹی، کپڑا، مکان غریبوں کو دیں گے۔ اس نعرے کی وجہ سے ایک نظام بنایا گیا، جس کا مقصد یہ تھا کہ ہم ہمیشہ کے لئے حاکم اور تم ہمیشہ کے لئے محکوم۔ ان کو غریب اور امیر کا فرق ختم کرنے کے لئے مساوات قائم کرنی تو ضرور نظر آئی مگر خود ساری زندگی حاکم بننے کے مستحق رہے........ دیکھیں کہ نفس نے کیسا دھوکا دیا....... نتیجہ یہ نکلا کہ ستر سال کے بعد اس نظام کو خود اس کے ماننے والوں نے دنیا سے ختم کر دیا۔

حقیقی مجاہد کون؟

حدیث پاک میں آیا ہے کہ کسی نے نبی علیہ السّلام سے پوچھا، مجاہد کون ہے؟ نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا:

اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نفسه فی طاعة الله

مجاہد وہ ہوتا ہے جو اللہ کی اطاعت کے معاملہ میں اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کرے۔

یہ مجاہدہ ہر ایک کو کرنا پڑتا ہے۔ اپنی پسند کی چیزیں چھوڑ کر ہر حال میں شریعت وسنت پر عمل کر کے دل کی ایسی کیفیت حاصل کر لینا ضروری ہے جس میں شریعت پر چلنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

☆ اس کی ایک سادہ سی مثال یوں سمجھئے کہ جو لوگ نمازی ہوتے ہیں اور مسجد میں آنے جانے کے عادی ہوتے ہیں، ان کو اگر کہیں کہ زمین پر بیٹھ جائیں تو ان کیلئے زمین پر بیٹھنا بڑا آسان ہے، بلکہ ان کو اگر آپ صوفے پر بیٹھنے کو کہیں تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں زمین پر بیٹھنا اچھا لگتا ہے۔ لیکن اگر کسی غیر مسلم انگریز سے کہیں کہ جی زمین پر بیٹھ جائیں تو اس کو جان کے لالے پڑ جائیں گے۔ وہ زمین پر بیٹھ ہی نہیں سکے گا۔

☆ ہمیں کئی مرتبہ ایسے تجربے ہوئے۔ ایک مرتبہ کچھ ایسے ہی لوگ ہمیں ملنے آئے، ہم نے ان کو پیشکش کر دی کہ ہم نیچے بیٹھے ہیں آپ بھی یہیں بیٹھ جائیں۔ وہ کہنے لگے کہ ہم بیٹھ ہی نہیں سکتے کیونکہ ہماری ٹانگیں اس طرح بیٹھنے کی عادی ہی نہیں ہیں۔ تو میرے دل میں بات آئی کہ اللہ والے شریعت پر عمل کر کے ایسے بن جاتے ہیں کہ ان کو شریعت پر عمل کرنے میں راحت محسوس ہوتی ہے۔

پروردگار عالم کی ستاری کی تعریف:

میرے دوستو! اگر گناہوں سے بو آیا کرتی تو شاید کوئی آدمی بھی ہمارے پاس آ کر نہ بیٹھتا۔ یہ تو پروردگار کی طرف سے ستر پوشی ہے کہ اس نے ہماری اصلیت کو چھپا دیا ہے۔ ایک بزرگ بہت ہی پیاری بات ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ مجھے وہ بات بہت اچھی لگتی ہے۔ فرماتے تھے کہ اے دوست! جس نے تیری

تعریف کی اس نے درحقیقت تیرے پروردگار کی ستاری کی تعریف کی جس نے تجھے چھپایا ہوا ہے اور تیری گندگیوں کے باوجود لوگ تیری تعریفیں کرتے پھرتے ہیں۔ لہٰذا جو ہماری تعریفیں کر رہا ہوتا ہے وہ ہماری تعریفیں نہیں کر رہا ہوتا بلکہ وہ اس پروردگار کی صفت ستاری کی تعریفیں کر رہا ہوتا ہے۔ یہ تو پروردگار کی رحمت ہے کہ اس نے پردے ڈالے ہوئے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے فائدہ اٹھائیں اور قبل اس کے کہ یہ مہلت ختم ہو جائے اپنے نفس کی اصلاح کر لیں۔ ورنہ جو صاحب نظر ہوتے ہیں وہ بندے کی باطنی کیفیت کو محسوس کر لیتے ہیں۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی فراست ایمانی:

ایک مرتبہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے۔ اسی اثنا میں ایک آدمی ان کے پاس آیا۔ آپ نے اسی وقت فرمایا:

لوگوں کو کیا ہو گیا کہ بے مہابہ ہمارے پاس چلے آتے ہیں اور ان کی نگاہوں سے زنا ٹپکتا ہے۔

یہ سن کر آنے والے نے تسلیم کیا کہ حضرت! واقعی مجھ سے راستے میں بدنظری ہو گئی تھی........جی ہاں، اللہ والوں کو تو اعضاء سے بھی پتہ چل جاتا ہے کہ یہ نجس ہیں، کیونکہ جس عضو سے بھی گناہ ہوتا ہے وہ نجس ہو جاتا ہے۔

زنا کے اثرات:

ایک مرتبہ امام اعظم ابو حنیفہؒ نے ایک نوجوان کو غسل کرتے ہوئے دیکھا تو ان کو محسوس ہوا کہ اس کے مستعمل پانی میں زنا کے اثرات دھل کر جا رہے ہیں۔ وہ آدمی تھوڑی دیر کے بعد آپ کے پاس کسی وجہ سے آیا۔ آپ نے اس کو اچھے انداز سے سمجھایا اور تنبیہہ کی۔ اس نے کہا، واقعی مجھ سے گناہ ہوا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں اور آج سے میں سچی توبہ کرتا ہوں۔ اس دن کے بعد امام صاحب نے

فتویٰ دے دیا کہ مستعمل پانی سے وضو کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ جب انسان وضو کرتا ہے تو اس وقت اس کے گناہ جھڑتے ہیں۔ اللہ والوں کو ان گناہوں کے اثرات نظر آجاتے ہیں۔ اسی طرح جب انسان غسل جنابت کرتا ہے تو اللہ والوں کو پتہ چل جاتا ہے کہ کہیں اس کے پانی میں گناہوں کے اثرات تو نہیں۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا:

اللھم ارنا حقائق الاشیاء کما ھی اے اللہ! ہمیں چیزوں کی حقیقت دکھا دیجئے جیسا کہ وہ ہے۔

اسی طرح اللہ والوں کو بھی اللہ رب العزت چیزوں کی حقیقت دکھا دیتے ہیں۔

ایک عجیب معمول:

کتابوں میں لکھا ہے کہ علامہ ابن دقیقؒ اور شیخ تاج الدین سبکیؒ کی یہ عادت تھی کہ جب وہ اپنے گھر سے مسجد کی طرف نماز پڑھنے کے لئے جاتے تھے تو اپنے چہرے پر پردہ ڈال لیتے تھے۔ لوگ بڑے حیران ہوتے تھے کہ یہ ان کی عجیب عادت ہے۔ ایک دن ایک آدمی نے پوچھ ہی لیا کہ حضرت! کیا وجہ ہے کہ آپ اپنی چادر سے اپنے چہرے کو ڈھانپ کر آتے ہیں؟ یہ سن کر انہوں نے اپنی وہ چادر اس کے اوپر ڈال دی۔ اس کے بعد جب اس نے ادھر ادھر دیکھا تو لوگ اسے بگڑی ہوئی شکلوں میں نظر آئے۔ کسی کی شکل کتوں جیسی، کسی کی بندروں جیسی اور کسی کی خنزیروں جیسی تھی۔

خواہشات کی پیاس:

میرے دوستو! انسانی نفس لذتوں کا خوگر ہے کیونکہ مشائخ نے فرمایا ہے کہ نفس بچے کی مانند ہے۔ جس طرح بچہ ایک چیز کے بعد دوسری چیز مانگتا ہے اور دوسری کے بعد تیسری چیز مانگتا ہے، وہ مانگتا رہتا ہے، اس کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ اسی طرح نفس کا بھی یہی حال ہے۔ اس لئے اگر کوئی بندہ یہ سوچے کہ اگر میں

نفس کی خواہش کو پورا کرلوں تو وہ نفس مطمئن ہو جائے گا تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ نفس ہرگز مطمئن نہیں ہوگا بلکہ ایک خواہش دوسری خواہش کو جنم دے گی، دوسری خواہش تیسری کو جنم دے گی اور تیسری خواہش چوتھی خواہش کا دروازہ کھولے گی۔ یہ پیاس کبھی نہیں بجھتی۔

یورپ میں زنا بالجبر......!!!

یورپ کے اندر ایسے کلب بنے ہوئے ہیں جن میں گناہ کرنے کے مواقع عام ہیں لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ وہاں زنا بالجبر ہوتا ہے۔ جب ان سے انٹرویو لیا گیا کہ تم ایسا کام کیوں کرتے ہو حالانکہ تمہیں ہر تقاضا پورا کرنے کے لئے جگہیں میسر ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ ہم رضامندی سے خواہش کو پورا کر کر کے اکتا گئے ہیں، چنانچہ ہم نے سوچا کہ روٹین سے ہٹ کر کوئی کام کرنا چاہیے، اس لئے زنا بالجبر کے مرتکب ہوئے۔ اس سے پتہ چلا کہ انسان کا نفس تو کچھ نہ کچھ ڈھونڈتا ہی رہتا ہے۔ اس لئے اس نفس کی اصلاح ہی اس کا علاج ہے۔

بہن سے نکاح:

نفس انسان کو بڑے دھوکے دیتا ہے۔ ''قرامطیہ'' نامی ایک فرقہ گزرا ہے۔ اس کے بانی کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ اس کا ایسا دماغ خراب ہوا کہ اس نے اپنے پیروکاروں سے کہا کہ تم اپنی بہن سے نکاح کر سکتے ہو۔ اس پر وہ یہ دلیل دیتا تھا کہ بہن چونکہ بچپن سے لے کر بڑے ہونے تک ایک ساتھ رہتی ہے اور جتنا وہ بندے کی زندگی کو جانتی ہے اتنا اور کوئی نہیں جانتی اس لئے بیوی بننے کی وہ زیادہ اہل ہے۔ آپ ذرا عقل کے ذریعے اس دلیل کو توڑ کر دکھائیں، ہرگز نہیں توڑ سکتے۔ ہاں، اگر شریعت کے ذریعے اس دلیل کو توڑنا چاہیں تو شریعت بتائے گی کہ کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں جہاں انسان کی حیوانیت ختم ہو کر فقط انسان کی انسانیت باقی رہتی ہے۔ ماں اور بہن وغیرہ کا رشتہ ایسا رشتہ ہوتا ہے جہاں انسان کی نظر پاک ہوتی ہے۔

اگر سب پر ایک ہی طرح کی نظر پڑے گی تو دنیا سے شرم وحیا ختم ہو جائے گی۔

ہم جنس پرستی......ایک نفسانی دھوکا

جن ملکوں میں ہم جنس پرستی کے بل پیش ہوئے اور لوگوں نے پڑھے لکھے ہونے کے باوجود ان کو پاس کر دیا، ان کے دماغ کو کیسا دھوکا لگا کہ انہوں نے ایک غیر فطری عمل کو زندگی کا قانون بنا دیا۔ ان کے نفس نے ان کو یہ دھوکا دیا۔

یہ سب مثالیں ہمیں بتا رہی ہیں کہ نفس انسانی اپنی لذتوں اور من مانیوں کی خاطر انسان کو دھوکے دیتا ہے۔ ان دھوکوں سے بچنے کے لئے ہمارے سامنے شریعت کی راہ موجود ہے کہ ہم اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق زندگی گزاریں۔ آپ ﷺ کے ان طریقوں کو زندگی میں اپنانا مجاہدہ کہلاتا ہے۔ اور جو انسان نفس کے ساتھ مجاہدہ کرتا ہے اللہ رب العزت اس کے لئے راستے کھول دیتے ہیں۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (العنکبوت:69)

اصلاح نفس کا آسان طریقہ:

ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ نفس کی اصلاح کا آسان طریقہ یہ ہے کہ چونکہ نفس لذتوں کا خوگر ہے اس لئے تم اپنے نفس کو عبادت کی لذتوں سے آشنا کر دو۔ یہ خود بخود سنور جائے گا۔ جی ہاں، عبادت کی اپنی ایک لذت ہوتی ہے گو ہم اس سے واقف نہ ہوں۔ جس طرح دستر خوان پر پڑی ہوئی چیزوں کا اپنا اپنا مزہ ہوتا ہے اسی طرح ذکر کا مزہ اور ہے، تلاوت قرآن کا مزہ اور ہے، تہجّد کا مزہ اور ہے، اللہ کے

راستے میں خرچ کرنے کا مزہ اور ہے، اللہ کے راستے میں نکل کر دعوت دینے کا مزہ اور ہے، نبی علیہ السّلام پر درود پاک پڑھنے کا مزہ کچھ اور ہے رات کے آخری پہر میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے رونے کا مزہ کچھ اور ہے۔ لیکن ہر بندہ ان مزوں سے واقف نہیں ہوتا۔ اور جو واقف ہوتے ہیں وہ عشا کے وضو سے فجر کی نمازیں پڑھا کرتے ہیں۔ ان کے لئے یہ سب کچھ آسان ہو جاتا ہے۔ ذرا آپ اس طرح کر کے تو دکھائیں۔

محبّت الٰہی کی کسوٹی:

کیا مصلے پر بیٹھنا آسان کام ہے؟ مصلے پر بیٹھنا آسان کام نہیں ہے۔ وہی بیٹھتا ہے جس کا دل اپنے پروردگار سے اٹکا ہوا ہوتا ہے، ورنہ تو مصلے پر بیٹھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ کیا آپ نوجوانوں کو نہیں دیکھتے کہ ان کو پکڑ دھکڑ کر مسجد میں لے کر آتے ہیں اور وہ سلام پھیر کر فوراً باہر بھاگتے ہیں اور قمیص ٹھیک کر کے ایسے خوش ہوتے ہیں جیسے کسی جیل خانے سے باہر نکل آئے ہوں۔ اس سے پتہ چلا کہ مصلے پر بیٹھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ حضرت مرشد عالمؒ فرمایا کرتے تھے کہ مصلے پر بیٹھنا اس بات کی کسوٹی ہے کہ ہمارے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبّت کتنی ہے۔ جو بندہ سکون سے نماز پڑھے، سکون سے تلاوت کرے، سکون سے تسبیحات کرے اور مسجد کے اندر اس کا دل لگے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس بندے کے دل میں اللہ رب العزت کی محبّت موجود ہے۔

ٹوٹے دلوں کی فضیلت:

میرے دوستو! اپنی خواہشات کو قابو کرنے کی عادت ڈالیے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے تھے کہ تصوف وسلوک کا نچوڑ یہ ہے کہ خواہشات نفسانی کو کچل دیا جائے۔ جب انسان اپنی خواہشات کو کچل دیتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت آتی ہے۔ جب دل ٹوٹتا ہے تو اللہ رب العزت کی طرف سے رحمتوں کے

دروازے کھل جاتے ہیں۔اسی لئے تو فرمایا، اَنَا عِندَ مُنکَسِرَۃِ الْقُلُوْبِ مجھے ڈھونڈنا ہو تو ٹوٹے دلوں میں دیکھو، میں ٹوٹے دلوں میں ہوتا ہوں۔ جب انسان کی امیدیں ٹوٹتی ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کو ترس آجاتا ہے۔

ایک دلچسپ واقعہ:

کتابوں میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ ایک خاتون نہایت ہی پاکدامن اور نیک تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ مجھے نبی اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہو۔ وہ درود شریف بھی بہت پڑھتی تھی لیکن زیارت نہیں ہوتی تھی۔ ان کے خاوند بڑے اللہ والے تھے۔ایک دن انہوں نے اپنے خاوند سے اپنی یہی تمنا ظاہر کی کہ میرا دل تو چاہتا ہے کہ مجھے نبی علیہ الصلوۃ والسّلام کی زیارت نصیب ہو، لیکن کبھی یہ شرف نصیب نہیں ہوا، اس لئے آپ مجھے کوئی عمل ہی بتا دیں جس کے کرنے سے میں خواب میں نبی علیہ الصلوۃ والسّلام کی زیارت کی سعادت حاصل کرلوں۔انہوں نے کہا کہ میں آپ کو عمل تو بتاؤں گا لیکن آپ کو میری بات ماننا پڑے گی۔وہ کہنے لگی کہ آپ مجھے جو بات کہیں گے میں وہ مانوں گی۔وہ کہنے لگے کہ اچھا تم بن سنور کر دلہن کی طرح تیار ہو جاؤ۔اس نے کہا، بہت اچھا، چنانچہ اس نے غسل کیا، دلہن والے کپڑے پہنے، میک اپ کیا، زیور پہنے، اور دلہن کی طرح بن سنور کر بیٹھ گئی۔

جب وہ دلہن کی طرح بن سنور کر بیٹھ گئی تو وہ صاحب ان کے بھائی کے گھر چلے گئے اور جا کر اس سے کہا کہ دیکھو، میری کتنی عمر ہو چکی ہے اور اپنی بہن کو دیکھو کہ وہ کیا بن کر بیٹھی ہوئی ہے۔جب بھائی گھر آیا اور اس نے اپنی بہن کو دلہن کے کپڑوں میں دیکھا تو اس نے اسے ڈانٹنا شروع کر دیا کہ تم کو شرم نہیں آتی، کیا یہ عمر دلہن بننے کی ہے، تمہارے بال سفید ہو چکے ہیں، تمہاری کمر سیدھی نہیں ہوتی اور بیس سال کی لڑکی

بن کر بیٹھی ہوئی ہے۔ اب جب بھائی نے ڈانٹ پلائی تو اس کا دل ٹوٹا اور اس نے رونا شروع کر دیا۔ حتی کہ وہ روتے روتے سوگئی۔ اللہ کی شان دیکھئے کہ اللہ رب العزت نے اسے اسی نیند میں اپنے محبوب A کی زیارت کروادی۔ سبحان اللہ۔

وہ زیارت کرنے کے بعد بڑی خوش ہوئی، لیکن خاوند سے پوچھنے لگی کہ آپ نے وہ عمل بتایا ہی نہیں جو آپ نے کہا تھا اور مجھے زیارت تو ویسے ہی ہوگئی ہے۔ وہ کہنے لگے، اللہ کی بندی! یہی عمل تھا۔ کیونکہ میں نے تیری زندگی پر غور کیا، مجھے تیرے اندر ہر نیکی نظر آئی، تیری زندگی شریعت وسنت کے مطابق نظر آئی البتہ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ میں چونکہ آپ سے پیار محبّت کی زندگی گزارتا ہوں اس لئے آپ کا دل کبھی نہیں ٹوٹا، اس وجہ سے میں نے سوچا کہ جب آپ کا دل ٹوٹے گا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اترے گی اور آپ کی تمنا کو پورا کر دیا جائے گا۔ اسی لئے تو میں نے ایک طرف آپ کو دلہن کی طرح بن سنور کر بیٹھنے کو کہا اور دوسری طرف آپ کے بھائی کو بلا کر لے آیا، اس نے آکر آپ کو ڈانٹ پلائی جس کی وجہ سے آپ کا دل ٹوٹا اور اللہ رب العزت کی ایسی رحمت اتری کہ اس نے آپ کو اپنے محبوب ﷺ کی زیارت کروادی۔ اللہ اکبر۔

قرآنی فیصلہ:

میرے دوستو! خواہشات کو کچلنے والا کام ہم میں سے ہر ایک کو کرنا ہے۔ یہ بہت ہی اہم کام ہے۔ یہ کوئی فضائل کا کام نہیں ہے بلکہ فرائض کا کام ہے۔ اسی کو تزکیہ نفس کہتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (الشمس:10-9)

جس نے تزکیہ حاصل کیا وہ فلاح پا گیا اور نامراد ہوا وہ شخص جس نے اس کو خاک میں ملا چھوڑا۔

اس آیت میں تزکیہ نفس کی فرضیت کے بارے میں قرآنی فیصلہ نازل ہو چکا ہے۔اس لئے یہ کام ہر ایک کے لئے ضروری ہے۔

ایمان کی حفاظت:

جب بندے کو اپنی چیز کی اہمیت کا پتہ ہو تو وہ اس کی حفاظت کے لئے ہر ممکن کوشش کرتا ہے، کیونکہ اسے پتہ ہوتا ہے کہ یہ میری ضرورت کی چیز ہے۔اسی طرح ایمان کو بچانا ہماری ضرورت ہے......ہم سے تو وہ اندھا اچھا تھا.......ذرا واقعہ سن لیجئے........ایک اندھا تھا۔وہ اپنے سر کے اوپر پانی کا گھڑا رکھ کر جا رہا تھا۔رات کا وقت تھا۔لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ رات کی تاریکی میں وہ اندھا اپنے ہاتھ میں ایک چراغ بھی لئے جا رہا تھا۔کسی دوسرے آدمی نے اسے دیکھا تو وہ بڑا حیران ہوا۔وہ کہنے لگا کہ آپ کو تو قدموں کے حساب سے راستوں کا ویسے ہی پتہ ہے، آپ کو تو اس روشنی کی ضرورت ہی نہیں، اس لئے آپ ہاتھ میں چراغ لئے کیوں جا رہے ہیں؟ وہ اندھا کہنے لگا کہ آپ نے سچ کہا، مجھے واقعی چراغ کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ میں نے راستے اپنے قدموں سے اتنے ماپے ہوئے ہیں کہ میں قدموں سے پہچان کر سیدھا منزل پر پہنچ جاؤں گا، البتہ میں جو یہ چراغ لئے پھرتا ہوں یہ آنکھوں والوں کے لئے ہے، ایسا نہ ہو کہ کوئی آنکھوں والا اندھیرے میں چل رہا ہو، اسے نظر نہ آئے اور وہ مجھ سے ٹکرائے اور میرا گھڑا ٹوٹ جائے اس لئے میں اپنے گھڑے کی حفاظت کی خاطر آنکھوں والوں کو چراغ دکھاتا پھر رہا ہوں۔تو ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنی قیمتی متاع ''ایمان'' کی حفاظت کریں۔اللہ رب العزت ہمیں اپنے ایمان کی حفاظت کی توفیق عطا فرما دیں تاکہ ہم اپنے نفس کو شریعت کی لگام ڈال کر اس کو اللہ رب العزت کا مطیع اور فرمانبردار بنا لیں۔

جنت دو قدم ہے:

حضرت بایزیدؒ نے خواب میں اللہ رب العزت کی زیارت کی اور عرض کیا،

یا الله! كيف اصل اليك اے اللہ! میں آپ تک کیسے پہنچ سکتا ہوں۔

پروردگار عالم نے فرمایا، اے میرے پیارے!

دع نفسك و تعال تو اپنا پہلا قدم نفس پر رکھ لے، تیرا دوسرا قدم مجھ تک پہنچ جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ بایزید بسطامیؒ فرمایا کرتے تھے،

”جنت دو قدم ہے، جنت دو قدم ہے“

کسی نے عرض کیا، حضرت! دو قدم کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا، تم اپنا پہلا قدم نفس پر رکھ لو۔ تمہارا دوسرا قدم جنت میں چلا جائے گا۔

قابلِ لاحول ماحول:

آجکل کا ماحول عملی اعتبار سے خراب ہوتا چلا جا رہا ہے۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ ”آجکل کا ماحول قابل لاحول“

اگر گھروں کا ماحول اچھا بھی بنا لیا جائے تو سکولوں اور کالجوں میں جانے کی وجہ سے وہ کمی پوری ہو جاتی ہے۔ سکول تک تو بچے چھوٹی عمر ہونے کی وجہ سے پھر بھی ٹھیک رہتے ہیں لیکن جب کالج میں جاتے ہیں تو ان بیچاروں کو روحانی فالج ہو جاتا ہے۔ وہاں ان کے خیالات ان کے قابو میں نہیں رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ طلبا آکر پوچھتے ہیں کہ حضرت! کیا کریں جب کتاب کھول کر بیٹھتے ہیں تو ہمیں تو لفظوں کی بجائے کتاب میں تصویر نظر آرہی ہوتی ہے۔

کتاب کھول کے بیٹھوں تو آنکھ روتی ہے ورق ورق تیرا چہرہ دکھائی دیتا ہے

برے خیالات کی وجہ سے سزا:

یاد رکھیں کہ دماغ میں پیدا ہونے والے ایسے خیالات کی وجہ سے بھی انسان کو سزا ملے گی۔اسی لئے قرآن مجید میں جو مختلف سزائیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک سزا یہ بھی ہے کہ جہنمیوں کے سروں پر اللہ کے فرشتے ابلتا ہوا پانی ڈالیں گے۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ (الحج:19) ڈالا جائے گا ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی۔

سر پر گرم پانی اس لئے ڈالیں گے کہ اس دماغ کے اندر نفسانی،شیطانی اور شہوانی خیالات کا ہجوم رہتا تھا اور یہ بندہ ان خیالات کو ذہن میں جماتا تھا۔اللھم احفظنا منه

اصلاح نفس کے لئے دعا:

نفس کی اصلاح بہت ضروری ہے۔سلطان باہوؒ نے فرمایا:

”نفس پلیت پلیت چا کیتا اے کوئی اصل پلیت تاں نا ہسے ہوٗ“

اس کو قابو کرنے کے لئے اللہ رب العزت سے دعا مانگنی ہوتی ہے۔جن کو اس بات کی فکر لگی ہوتی ہے ان کی رات کے آخری پہر میں خود بخود آنکھ کھلتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہیں کہ اے رب کریم! اس نفس کو قابو کرنے میں ہماری مدد فرما دیجئے ...... یاد رکھیں کہ جب یہ امت راتوں کو اٹھ کر رویا کرتی تھی تو دن کو ہنسا کرتی تھی مگر آج یہ راتوں کو سوتی ہے اور پورا دن یہ روتی ہے۔

تہجّد کے لئے توفیق کی دعا:

ایک نکتہ ذہن میں رکھ لیجئے کہ اگر تھکے ہوئے ہیں، نیند غالب ہے اور اٹھ نہیں سکتے، تو کئی مرتبہ انسان کی

رات کو آنکھ ضرور کھلتی ہے۔ کسی تقاضے کی وجہ سے کروٹ لیتے ہوئے آنکھ ضرور کھلتی ہے۔ جن حضرات کو تہجّد کی توفیق نہیں ملتی وہ جب کروٹ لینے کے لئے بیدار ہوں تو اس ایک لمحہ میں اللہ رب العزت سے تہجّد کی توفیق کی دعا ضرور مانگ لیا کریں۔ یہ ایک چھوٹی سی بات ہے لیکن اس کا آپ کو یہ فائدہ ہوگا کہ اس لمحے کی مانگی ہوئی دعا بھی آپ کو اللہ رب العزت کا مقبول بنا دے گی۔ ہمارے مشائخ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ جو عورتیں فجر کی اذان سے پہلے اٹھ کر گھروں میں جھاڑو دیتی ہیں یا لسی بلو لیتی ہیں وہ بھی اللہ کی رحمت سے فائدہ پا لیتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدر دانی:

اللہ رب العزت بڑے قدر دان ہیں۔ وہ کسی کے کئے ہوئے عمل کو ضائع نہیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدر دانی کا قرآنی ثبوت بھی سنئے۔ ارشاد فرمایا؛

اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی (ال عمرن:195)

مرد ہو یا عورت، میں کسی کے بھی کئے ہوئے عمل کو ضائع نہیں کروں گا۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مثال بھی قرآن میں موجود ہے۔

فرعون اللہ رب العزت کا ایسا دشمن تھا جس نے خود الوہیت کا دعویٰ کیا تھا۔ وہ کہتا تھا،

اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (النّزعت:24) میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ (یونس:90)

اس نے کہا کہ میں ایمان لایا کہ اس ذات کے سوا کوئی معبود نہیں، جس پر بنی اسرائیل ایمان لا چکے ہیں۔

مفسّرین نے لکھا ہے کہ اللہ رب العزت اتنے قدر دان ہیں کہ اتنے بڑے دشمن نے ایک چیز کے ظاہر

ہونے پر ظاہری ایمان قبول کیا تھا، اللہ رب العزت نے اس کے بدلے اس کے ظاہری جسم کو محفوظ فرما دیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ اگر تو بن دیکھے ایمان لاتا تو تیرے ایمان کو محفوظ کر دیتے، اب چونکہ ہر چیز ظاہر ہو چکی تھی اور تو نے ظاہر کو دیکھ کر یہ کلمات پڑھے، لہٰذا تیرا یہ عمل بھی ہم اتنا قبول کر لیتے ہیں کہ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ (یونس:92) سو آج ہم بچا دیتے ہیں تمہارے جسم کو۔

جو پروردگار اتنے بڑے دشمن کے ظاہری الفاظ کو سبب بنا کر بدن کو محفوظ کر دیں وہ مؤمن کے غائب پر عمل کو سبب بنا کر اس کے ایمان کو محفوظ کیوں نہیں فرمائیں گے۔

ایک علمی نکتہ:

نفس کسی وقت بھی انسان پر وار کر سکتا ہے۔ اس کا کوئی وقت متعیّن نہیں ہے۔ اس لئے اس سے ہر وقت خبردار رہنے کی ضرورت ہے۔ اس کو استقامت کہتے ہیں۔ انسان کو ڈٹ جانا چاہیے......ایک علمی نکتہ بھی سن لیجئے.......نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا، اے چچا جان! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج رکھ دیں اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دیں تو بھی میں اس پیغام کو پہنچانے سے پیچھے نہیں ہٹوں گا جس کو میں لے کر آیا ہوں۔ ہم جیسے سطحی ذہن رکھنے والے لوگوں کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ چاند بہت بھاری ہے اور سورج اس سے بھی زیادہ بھاری ہے، اس بھاری ہونے کی وجہ سے یہ مثال دی گئی ہے، مگر عارفین علما نے اس کی اور وجوہات لکھی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السّلام نے چاند اور سورج کی مثال اس لئے دی ہے کہ

☆ چاند وہ ہے جس سے نظر ہٹتی نہیں اور سورج وہ ہے جس پر نظر جمتی نہیں۔

☆ چاند سے ٹھنڈک ملتی ہے اور سورج سے تپش ملتی ہے۔

☆ چاند میں جمال ہے اور سورج میں جلال ہے۔

چاند اور سورج کی خصوصیات بیان کرنے کے بعد علما فرماتے ہیں کہ جو یہ فرمایا کہ ''اگر یہ میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے ہاتھ پر سورج رکھ دیں'' تو بتانے سے مقصود یہ تھا کہ

''اے چچا جان! اگر یہ مجھے ڈرائیں دھمکائیں یعنی جلال دکھائیں گے یا مجھے عورت سے نکاح کرنے کا لالچ دیں گے یعنی جمال دکھائیں گے تو میں ان کے جلال اور جمال کے ہتھکنڈوں کی وجہ سے اس پیغام کو پہنچانے سے پیچھے نہیں ہٹوں گا جس کو میں لے کر آیا ہوں''۔ سبحان اللہ

اصلاح نفس کا مطلب:

جب نفس کی اصلاح ہو جاتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بندہ ہوا میں اڑنا شروع کر دیتا ہے یا اس کو بھوک لگنا بند ہو جاتی ہے۔ نہیں بلکہ وہ رہتا پھر بھی انسان ہے، ضروریات اس کے ساتھ لگی رہتی ہیں۔ مگر فرق یہ ہوتا ہے کہ اس کی زندگی شریعت وسنت کے مطابق ہو جاتی ہے۔ اس کی سوچ، رفتار، کردار، گفتار، حتی کہ اس کا ہر عمل نبی علیہ السّلام کے مبارک طریقوں کے مطابق ہو جاتا ہے، اس لئے عام لوگوں کے لئے مبتدی اور منتہی کے درمیان فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ عام لوگ تو بیچارے کرامات کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں۔ کوئی عامل یا جادوگر ان کو کوئی شعبدہ بازی دکھا دے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔

مبتدی اور منتہی کے مقام میں فرق:

سلوک کی ایک بات یاد رکھنا کہ جس بندے کا نزول کامل ہوگا اس کی ظاہری زندگی ایک عام بندے کی سی نظر آئے گی مگر اس کا باطن ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعلّق ہوگا۔ اس کو ہر وقت رجوع الی اللہ کی کیفیت حاصل رہتی ہے، اس کے دل میں اللہ کی یاد ہر وقت رہتی ہے اور اس کا کوئی کام بھی شریعت وسنت کے خلاف نہیں ہوتا۔ ان کی ظاہری زندگی عام انسانوں جیسی نظر آتی ہے۔ اس لئے ظاہر میں لوگوں کو دھوکا

لگ جاتا ہے۔اس سے پتہ چلا کہ اولیاء اللہ کی پہچان بھی ہر بندہ نہیں کرسکتا۔ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے،

’’یااللہ! یہ راز کیا راز ہے کہ جس بندے سے تو خوش ہوتا ہے تو اس کو اپنے اولیاء کی پہچان دے دیتا ہے اور جس سے تو ناراض ہوتا ہے تو اس کے دل سے اولیاء کی پہچان نکال دیا کرتا ہے‘‘۔

اس بات کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے۔ایک دریا کے دو کنارے ہیں۔مبتدی پہلے کنارے پر ہے اور منتہی اس دریا کو عبور کر کے دوسرے کنارے پر ہے۔اگر کنارے کی ظاہری حیثیت کو دیکھیں تو دونوں کنارے پر ہیں،لیکن مقام کو دیکھیں تو دونوں میں بڑا فرق ہے،ایک نے ابھی دریا کو عبور کرنا ہے اور دوسرا دریا کو عبور کر چکا ہے۔یہی مبتدی اور منتہی کا فرق ہے کہ وہ دیکھنے میں تو ایک جیسے نظر آتے ہیں لیکن مقام میں فرق ہوتا ہے۔ایک نفس کا تزکیہ کر کے اسے شریعت کی لگام دے چکا ہوتا ہے جبکہ دوسرا ابھی ابتدا میں ہوتا ہے۔

کافر لوگ اسی بات سے دھوکا کھاتے تھے۔وہ نبی علیہ السّلام کی مبارک زندگی کو دیکھتے تھے تو وہ سوچتے تھے کہ نبی تو ان کو ہونا چاہیے جن کے ساتھ فرشتے ہوتے،سج دھج سے آتے اور پتہ چلتا کہ یہ اللہ کے نبی ہیں۔لوگ نبی علیہ السّلام کو دیکھتے تھے اور کہتے تھے:

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (الفرقان:7)

یہ کیسے رسول ہیں جو کھانا کھاتے ہیں اور گلی بازاروں میں چلتے ہیں۔

ان کافروں کو نبی علیہ الصلوۃ والسّلام کی زندگی عام سی نظر آتی تھی۔آپ ﷺ کی زندگی اتنی سادہ ہوتی تھی کہ آنے والوں کو پوچھنا پڑتا تھا من منکم محمداً ﷺ ’’آپ میں سے محمد ﷺ کون ہیں؟‘‘

علما نے لکھا ہے کہ نماز میں سجدۂ سہو مبتدی کو بھی پیش آتا ہے اور منتہی کو بھی پیش آتا ہے۔ البتہ دونوں کی وجوہات مختلف ہوتی ہیں۔ مبتدی کو سجدۂ سہو نفسانی، شیطانی اور شہوانی خیالات کی وجہ سے پیش آتا ہے جبکہ منتہی کو سجدۂ سہو توجہ الی اللہ میں استغراق کی وجہ سے پیش آتا ہے۔ یعنی توجہ الی اللہ میں استغراق کی وجہ سے یہ بات ذہن سے نکل جاتی ہے کہ میں نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ دونوں کے سجدۂ سہو کی حقیقت میں یہ فرق ہوتا ہے۔

نام اور کام میں تضاد:

آج کی اس محفل میں ہم دل میں پکا عہد کریں کہ ہم نے اپنے نفس کی خواہشات کو توڑنا ہے، عبادات کا بوجھ اس پر زیادہ ڈالنا ہے اور اس کو شریعت کی لگام دے کر رکھنا ہے۔ ورنہ کئی مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ

☆ نام پوچھو تو ابراہیم اور اگر تکبّر دیکھو تو نمرود سے بڑھ کر

☆ نام پوچھو تو موسیٰ اور ظلم دیکھو تو فرعون سے بڑھ کر

☆ نام پوچھو تو غلام رسول اور عمل دیکھو تو ابو جہل سے بڑھ کر

ایک مہتم بالشان عمل:

آج یہ حالت ہے کہ لوگ خواب دیکھ کر اپنے معتقد بن جاتے ہیں۔ اور خیال یہ کرتے ہیں کہ جو خواب ہمیں آتے ہیں وہ سچے ہوتے ہیں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ بندے کو دوسروں کی برائیوں کا شک ہوتا ہے اور ان سے نفرت کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اور اپنے عیبوں کا یقین ہوتا ہے پھر بھی اپنے نفس سے محبّت کرتا ہے۔ اس لئے نفس کی اصلاح ایک مہتم بالشان عمل ہے۔

رب کریم ہمیں تزکیۂ نفس حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما دے اور یہ جو وقت لے کر ہم سب اکھٹے ہوئے ہیں پروردگار عالم اس وقت کو آداب کے ساتھ، ذکر اذکار کے ساتھ اور توجہ الی اللہ کے ساتھ گزارنے کی

توفیق عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ اس کو سبب بنا کر ہماری اصلاح فرما دے۔(آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ